U16410 18-1209

Title - TANQEED LISAANUL GHAIB.

Creator - Abu Al Hasan Siddique Badauni.

Publisher - Nizami Press (Badaun).

Date - 1920

Pages - 58.

Subjects - Hafiz Sheerazi - Sawanch-o-Tanqeed; Tazkira Shora - Farsi - Hafiz Sheerazi.

زشعرِ حافظ شیراز میگویند و میرقصند
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

تنقیدِ لسان الغیب

از قلم اعجاز رقم

جناب مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی بدایونی پنشن یافتہ چیف جج سرکار نظام خلد اللہ ملکہ

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

(نظام الدین حسین پرنٹر پبلشر)

سنہ ۱۹۲۰ء

بار اوّل

قیمت ۸

(یا حافظ)

تمہید

عاقبت منزل ما وادی خاموشان است — حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

شرح لسان الغیب جو دیوان حافظؒ کی مکمل ترین اردو شرح ہے اور مولوی میر ولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد نے کچھ عرصہ ہوا کہ نہایت قابلیت کے ساتھ چار جلدوں میں چھپوا کر شایع کی تھی۔ اس میں میرے خیال کے بموجب کچھ امور تکمیل طلب باقی رہ گئے تھے۔ اس لیے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ اُن کی نسبت بغرض فائدہ عام اظہار رائے کروں چنانچہ چاروں جلدوں کی نسبت ایک مفصل تنقید قلمبند کی تھی جو ستمبر ۱۹۱۶ء میں اخبارات پیسہ اخبار (لاہور) اور ذوالقرنین (بدایوں) میں بتدریج شائع ہو گئی اور رسالہ مخزن (لاہور) نے بھی چاروں جلدوں کی تنقید اپنے مختلف پرچوں میں مکمل چھاپ دی۔

چاروں جلدوں کی تنقید اخبارات میں شایع ہونے کے بعد جو مزید غلطیاں مجھکو شرح لسان الغیب میں وقتاً فوقتاً نظر آئیں انکو بطور ضمیمہ تنقید کے اخبار ذوالقرنین میں ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۹ء میں نے شایع کرا دیا اس واسطے وہ حصہ بھی اس تنقید کے آخر میں بطور ضمیمہ اضافہ کیا گیا۔

بعض احباب کا اصرار ہوا کہ مکمل تنقید بطور ایک رسالے کے علیحدہ شایع کیجائے تاکہ شائقین کلام حافظ کو آسانی دستیاب ہو سکے اور علی الخصوص اُن لوگوں کو اُس کا اپنے کتب خانہ میں رکھنا ضروری لازمی ہے جو لسان الغیب کی چاروں جلدیں خرید چکے ہیں کیونکہ بغیر اس کے وہ جلدیں ناتمام رہتی ہیں۔ چونکہ اول اشاعتوں کے وقت اُن اصحاب نے جو فارسی زبان سے دلچسپی رکھتے ہیں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا اس واسطے میں نے اب اس تنقید کو علیحدہ چھاپنے کی جرأت کی ہے اور لسان الغیب کی تقطیع کے کاغذ پر چھپوائی گئی ہے تاکہ اُس کی جلدوں کے ساتھ شامل ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی دیوان حافظ کا ایک انتخاب بھی چھپوانے والا ہوں جو میں نے مرتب کر لیا ہے اور جس میں ڈیڑھ ہزار سے زائد اعلیٰ درجہ کے منتخب اشعار ہیں۔ گویا وہ دیوان حافظ کا عطر بلکہ روح ہے۔ اسی رعایت سے اُس کا نام عطر دیوان حافظ رکھا گیا ہے۔ اشعار کی تصحیح کی طرف پوری توجہ کی گئی ہے اور اختلافی حالتوں میں بہترین قرأت اختیار کی گئی ہے۔ مطبوعہ دیوان میں جو عجیب و غریب غلطیاں سرایت کر گئی ہیں وہ اب مفقود ہو گئیں۔

خاکسار محمد ابوالحسن صدیقی بدایونی وظیفہ خوار سرکار نظام

بدایوں ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنقید لسان الغیب

از مولوی محمد ابوالحسن صاحب صدیقی بدایونی

جلد اوّل

نمبر (۱)

شگفتہ شد گل حمرا و گشت بلبل مست
صلائے سرخوشی ای عاشقان بادہ پرست

گلستان عالم میں ایک نیا پھول کھلا۔ بلبلوں کو پھر شوق نواسنجی پیدا ہوا۔ بہ الفاظ دیگر علمی دنیا میں ایک جدید کتاب کا اضافہ ہوا جس کی ملک کو ضرورت تھی۔ "لسان الغیب" جلد اول مولفہ جناب میر ولی اللہ صاحب بی اے وکیل ایبٹ آباد (پنجاب) میری نظر سے گذری۔ یہ دیوان حافظ کی اردو شرح حال متن معہ ترجمہ اشعار ہے۔ اور شروع میں خواجہ حافظ علیہ الرحمتہ کی مفصل سوانح عمری بھی درج ہے چونکہ اس خاکسار کو خواجہ حافظ علیہ الرحمتہ سے قدیمی عقیدت و نیاز ہے۔ اس لیے باوجود عدیم الفرصتی یہ جلد شوق سے منگوائی۔ اور اس کا بغور مطالعہ کیا۔ اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ لائق مولف کا ایما تھا کہ اس کی نسبت میں اپنی ناچیز رائے تحریر کروں۔ اس لیے تعمیل ارشاد لازم ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ ذی علم مولف سے زیادہ موزوں اور زیادہ اہل اس شرح کے لکھنے کے واسطے کوئی اور شخص نہ تھا۔ علاوہ واقفیت زبان اور وسیع معلومات کے آپ کو تصوف کا مذاق بھی حاصل ہے چونکہ میں جناب

خواجہ علیہ الرحمۃ کو ولی اللہ سمجھتا ہوں اور مؤلف بھی ولی اللہ ہیں اس واسطے "ولی را ولی می شناسد" کی مثل صادق آتی ہی۔ لیکن قبل اس کے کہ میں اس کتاب کے حسن و قبح کی نسبت رائے زنی کروں میں اس امر کو مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ جن الفاظ کے ترجمہ وغیرہ کی نسبت میری رائے مختلف ہی۔ اس کا اظہار بھی صاف دلی کے ساتھ کر دوں۔ یہ اظہار رائے بطور معارضہ ہی۔ بلکہ تحقیق وانکشاف حقیقت مقصود ہی۔ اگر میں میری رائے میں کوئی غلطی بتلائی جائے تو میں بخوشی اس کے تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔

اِس جلد کے آخر میں ایک غلط نامہ بھی چھپا ہی لیکن مجھ کو افسوس ہی کہ وہ اُن سب غلطیوں پر حاوی نہیں ہی۔ جو کتاب کے چھپنے میں ہوگئی ہیں۔

سوانح عمری کے صفحہ ۲۳ میں عبارت ذیل درج ہی وہ کہتے ہیں کہ دریائے سندھ کو عبور کرکے براہ لاہور خواجہ صاحب ہرمز پہنچے اور ایک محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے سلطان نے آپکے لیے ہرمز بھیجا تھا سوار ہوگئے۔

اس عبارت کو دیکھ کر مجھ کو یہ مشہور مصرع

"چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا"

یاد آگیا۔ تعجب اس بات کا ہی کہ ذی علم شارح نے اس سفر کی جغرافی حالات پر غور نہ فرمایا کجا دریائے سندھ و لاہور و کجا بندرگاہ ہرمز۔ عرصہ دراز ہوا کہ میں نے یہی غلطی کسی کتاب (غالباً الہ آباد ریویو) میں دیکھی تھی۔ اِس کی ایک وجہ بھی میرے قیاس میں آئی ہی ع

رازِ درون پردہ ز رندان مست پرس

بات یہ ہی کہ خواجہ صاحب شیراز سے براہ لار بندرگاہ ہرمز تک آئے تھے۔ کسی لایق کاتب نے شہر لار کا کبھی نام نہیں سُنا تھا سمجھا کہ ہونہ ہو یہ لاہور ہی۔ کیونکہ خواجہ صاحب عازم ہندوستان تھے۔ اس لیے لار کے درمیان ہو کا لفظ بڑھا دیا۔ پھر کیا تھا۔ ؟ دیوانہ راہوئے بس ست یہ فرض کرکے کہ جب ایران سے کوئی شخص لاہور آئے گا۔ تو دریائے سندھ کو لامحالہ عبور کرے گا۔ ایک ذ آ ی

غلطی کی بنیاد پر ایک فرضی عمارت قایم کردی۔ خواجہ حافظ کا لاہور آنا ایسا ہی بے سر و پا افسانہ ہو جیسا کہ شیخ سعدیؒ کا بغرض ملاقات امیر خسروؒ دہلی آنا۔

سوانح عمری کے صفحہ ۴۴ میں شارح نے شاخ نبات کا قصہ محض فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔ اور فرمایا ہو کہ اس سے مراد حافظ صاحب نے اپنے کلک شکر ریز سے لی ہو بعض جگہ ایسا ہی ہوا ہو لیکن اس پر معنی اور قصہ طلب شعر ہیں کہ ؎

این ہمہ شہد و شکر کز سخنم می ریزد ٭ اجر صبریست کزان شاخ نباتم دادند

یہ معنی کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھ سکتے یہ صحیح ہو کہ امتداد زمانہ سے بعض واقعات تاریخی بھی اپنی اصلیت کو گم کرکے خیالی اور خلاف قیاس افسانے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک یورپین مضمون نگار نے اپنی رائے ظاہر فرمائی تھی کہ چند ہزار برس گزرنے کے بعد نپولین کے واقعات بھی افسانے کی تاریکی میں گم ہو جائیں گے اور مشرق میں فتوحات اور مغرب میں شکست کا واقعہ صرف ایک فلسفیانہ خیال یا استعارہ سمجھا جائے گا۔ لفظ نپولین کے معنے اس نے کمال ذہانت سے آفتاب کے ثابت کیے ہیں اور کہا ہو کہ عروج و زوال کا یہ واقعہ صرف آفتاب کے طلوع اور غروب کا استعارہ ہو لیکن حافظ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہو۔ شاخ نبات کے عشق کا قصہ تو متواتر روایات سے ثابت ہو۔ اور کوئی بڑا عیب یا خلاف [illegible] بات بھی نہیں ہو تو ہم کیوں اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریں ؎

این نہ عیب است کزیں عیب خلل خواہد بود
ور بود عیب چہ شد مردم بے عیب کجاست

ذی علم شارح نے سعدی اور حافظ کے بعض ہم مضمون اشعار کا بھی مقابلہ کیا ہو (صفحہ ۶۴ تا ۶۶) اگرچہ حافظ کے اشعار بہت قابلیت سے منتخب کیے گئے ہیں لیکن ہم معنی اشعار اُن سے موزوں تر موجود تھے مثلاً ؎

سعدیا لشکر خوباں بشکار دل ما (سعدی) گو مبادا کہ ما صید فلاں گردیدیم
صفحہ ۶۵ گرم صد لشکر از خوبان بقصد دل کمین سازند (حافظ) بحمد اللہ و المنت بت لشکر شکن دارم

صفحہ ۶۵ شبے و شمعے و گویندہ و زیبائے (س)، ندارم از ہمہ عالم جز ایں تمنائے
" مئے دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ (ح)، ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر
" ای قافلہ سالار چنیں تند چہ رانی (س)، آہستہ کہ در کوہ و کمر باز پسانند
" سمند دولت اگر تند و سرکش است ولے (ح)، ز ہمرہاں بسر تازیانہ یاد آرید
" گر کنند میل بہ خوباں دل من غرہ مگیر (س)، کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند
" گر رود از پی خوباں دل من معذور است (ح)، درد دارد چہ کند گر پی درماں نرود
صفحہ ۶۶ سخنہا دارم از دست تو در دل (س)، ولیکن در حضورت بے زبانم
" گفتنی سخن خود را بارہا باید گفت (ح)، ای کاش توانستم گفتن سخنے با او

سوانح عمری کے صفحہ ۸۰ کے آخر اور ۸۱ کے شروع میں ڈاکٹر اقبال کے شعر میں نم صہبا بیان ہوا ہے اس کی بجائے یم صہبا زیادہ موزوں و با معنی ہے۔

خواجہ حافظ کی سوانح عمری ذی علم مؤلف لسان الغیب نے نہایت محنت و جانکاہی تحقیق و تلاش سے لکھی ہے اور مشتبہ واقعات کو بالکل ترک کر دیا ہے اور اُن نازیبا الزامات سے جو اکثر یورپین ناواقف تذکرہ نویسوں نے جناب خواجہ صاحب پر لگائے ہیں۔ اور جن میں اکثر خلاف قیاس بھی ہیں۔ لایق مؤلف نے اپنے موکّل کو بری ثابت کرنے کے لیے پوری وکالت کی ہے۔ اور بلاشک اس فرض منصبی کو بہت قابلیت سے ادا کیا ہے۔ واقعات نگاری میں "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عمل مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری نے بھی حیات حافظ میں کیا ہے مگر وہ نقش اول ہے۔ یہ نقش ثانی وہ مے ناب ہے تو یہ شراب دو آتشہ میری رائے میں ہندوستان میں حافظ کے حالات اس سے زیادہ صحیح اور زیادہ مفصل و مکمل کبھی نہیں لکھے گئے۔ سوانح عمری کے متعلق یہ مضمون ختم کرتا ہوں جس نے جلد اول کے ۱۴۲ صفحے لیے ہیں۔ باقی غزلیات کے معنے اور شرح کے متعلق مضمون ۲ میں بحث کروں گا۔ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ اُن چند شعرا کے سرتاج ہیں جن کے نام کو مشیت ایزدی نے بقائے دوام کی سند عطا فرمائی ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جلد اوّل

نمبر ۲

چہ مستی است ندانم کہ رو بما آورد
کہ بود ساقی و این بادہ از کجا آورد

چونکہ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے ساتھ مجھ کو کمال عقیدت اور ان کے کلام کے ساتھ نے انتہا دلچسپی ہے۔ اس لیے لسان الغیب کا نام سنتے ہی میرا پرانا شوق پھر ہیجان میں آیا۔ اور بالاضطرار قلم اٹھانا پڑا۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ شرح لسان الغیب کی نسبت اظہار رائے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جن اشعار یا الفاظ کے معنی کے بارہ میں مجھ کو اختلاف ہے۔ اس کو بدلائل بیان کروں۔ یہ بھی واضح رہے کہ میری بحث صرف ادبی معنے پر محدود ہوگی۔ صوفیانہ معنی اور تصوف کے نکات و اصطلاحات کی بحث میرے موضوع سے خارج ہوگی۔ کیونکہ اس فن میں مجھ کو دخل نہیں ہے ع

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

یا بقول مولانا روم رح

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل آن اندر دلش انداختند

شرح کے صفحہ ۲۸ میں غزل نمبر ۲ شعر ۴۔ اس طرح پر لکھی ہے

کس بدور نرگست طرفے نبست از عافیت بہ کہ بفروشند مستوری بمستان شما

اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔ کہ کسی نے تیری نرگس کے عہد میں آرام حاصل نہ کیا۔ اچھا ہے کہ تیری مست آنکھوں کے ہاتھ میں مستوری بیچ ڈالیں" اور مطلب یہ بیان ہوا ہے کہ تیری مست آنکھوں کے عہد میں کسی کو آرام نصیب نہ ہوا۔ اس لیے بہتر ہے کہ عاشق اپنی مستوری یعنی ثقاہت و ہوش کو تیری

مست آنکھوں کے بدلے بیچ ڈالیں"

اس کے پہلے مصرع کے معنی میں تو مجھ کو کچھ کلام نہیں ہے۔ دوسرے مصرع کی نسبت اس قدر عرض کرنا ہے۔ کہ حافظ نے بعض خاص اصطلاحیں خاص معنوں میں جابجا استعمال کی ہیں۔ جن کی مثالیں بھی آگے چلکر بیان ہونگی۔ اسی قبیل سے الفاظ مست و مستور و مستی و مستوری دو متضاد اصطلاحیں حافظ نے جابجا استعمال کی ہیں۔ مست کے معنی رند کے اور مستور کے معنی پارسا یا متقی کے ہیں۔ مستی بمعنے رندی و مستوری بمعنی پارسائی ہے۔ چنانچہ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔ ۵

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند ۔۔۔ ما دل بعشوۂ کہ دہیم اختیار چیست

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتمہ ہست ۔۔۔ کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

یعنی رندی یا پارسائی کا حکم خاتمہ پر موقوف ہے۔ کسی زندہ شخص کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا یا نہیں۔ اس دار الانقلاب میں ہر قدم پر ٹھوکر ہے۔ یہ وہی خیال ہے جو حکیم سولون نے شاہ کریسس سے ظاہر کیا تھا۔ جو اُس کو اس وقت ناگوار خاطر ہوا تھا۔ بالآخر اس کے تلخ نتیجہ کا تجربہ حاصل ہوا۔ مگر وہی قولِ حکیم اس کی جان بخشی کا بھی باعث ہوا۔ جیسا کہ واقفانِ تاریخ کو معلوم ہے۔

اسی طرح لفظ فروختن کے لغوی معنی بیچنے کے ہیں۔ مگر اصطلاحی معنی اس کے اظہار یا نمایش کرنے کے بھی ہیں۔ جس معنی میں اس کو حافظ نے جابجا اور دیگر شعرائے متقدمین نے بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً حافظ کے ان اشعار میں:-

ای توانگر مفروش این ہمہ نخوت کہ ترا ۔۔۔ سروری در کنف ہمت درویشان ہست

جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو ۔۔۔ خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

تا سر و قد کہ بر مہ و خور حسن میفروخت ۔۔۔ چون تو در آمدی پی کار دگر گرفت

آسمان گو مفروش این عظمت کاندر عشق ۔۔۔ خرمن مہ بجوی خوشہ پروین بدو جو

قوت بازوی پرہیز بخوبان مفروش ۔۔۔ کہ درین خیل حصاری بسواری گیرند

یعنی اپنے پرہیز کی قوت بازو کا اظہار خوبرویوں کے سامنے نہ کرنا۔ اسی طرح صائب کا شعر ہے۔ ۶

ساکنانِ حرم از قبلہ نما آزاد ند　　　رہنمائی مبن ای خضر بیابان مفروش

طالب آملی نے لکھا ہے۔

وقت سحر بنالہ نکو شد کسے چرا　　　مستی بہ بلبلان نفروشد کسے چرا

ان سب مقامات پر فروختن کے معنے اظہار کرنے کے ہیں بیچنے کے نہیں ہیں۔

حافظ کے اور بھی اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں۔ بلکہ بعض مرکب الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً زہد فروشی یعنی اظہار زہد۔ خود فروشی یعنی خود نمائی وغیرہ وغیرہ اس لیے اگر دوسرے مصرع میں بجائے بفروشند کے نفروشند پڑھیں تو معنی بہت ٹھیک ہو جاتے ہیں یعنی کسی شخص کو تیری آنکھوں کے زمانہ میں آسایش کا حصہ نصیب نہ ہوا۔ اس لیے بہتر ہے کہ لوگ اپنی پارسائی کا اظہار تیرے مستوں (یعنی آنکھوں) کے سامنے نہ کریں۔ کیونکہ اگر ایسا کریں گے تو ذلیل ہوں گے مجھ کو یقین کامل ہے کہ حافظ نے نفروشند صیغہ نہی ہی لکھا تھا۔ مگر ہندوستان کے سب قلمی اور مطبوعہ دیوانوں میں بفروشند ب کے ساتھ غلطی سے یا اصطلاحی معنے کی ناواقفیت سے لکھا گیا ہے بیچنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ نہ کوئی خریدار تھا۔ اگر صرف حوالگی سے مراد تھی۔ تو بجائے بفروشند کے بسپارند یا بگزارند لکھ سکتے تھے۔

صفحہ ۳۔ غزل ۳ شعر ۱۳ حسب ذیل ہے۔

خوبانِ پارسی گو بخشندگان عمرند　　　ساقی بدہ بشارت پیرانِ پارسارا

جس کا ترجمہ یوں کیا ہے "معشوقان فارس جو عمر کے بخشنے والے ہیں ای ساقی پیرانِ پارسا کو خوشخبری دے" معلوم ہوتا ہے کہ خوبانِ پارسی کے بعد لفظ گو بکاف تازی لائق شارح نے پڑھا ہے جو کہ اور کا مخفف ہے۔ اگر اس تقدیر میں او کو ضمیر سمجھا جائے تو وہ واحد ہے۔ اور خوبانِ پارسی جو جمع کا صیغہ ہے اس کے واسطے ضمیر واحد نہیں آسکتی۔ نہ اس کے واسطے مصرع کے آخر میں اند بصیغہ جمع آتا۔ اور اس صورت میں خوبانِ پارسی کے لیے کسی فعل یا خبر کی ضرورت ہوتی جو مفقود ہے۔ اس لیے اگر بجائے گو کے گو

بکاف فارسی پڑھا جائے۔ جو اسم فاعل کا صیغہ یعنی گوینده ہے۔ تو معنی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اور "خوبان پارسی گو" مبتدا۔ اور "بخشندگان عمر ند" اس کی خبر ہوجاتا ہے۔ اس لیے جملہ مکمل ہوجاتا ہے۔ اور معنی بھی صاف ہوجاتے ہیں یعنی فارسی بولنے والے معشوق عمر کے بخشنے والے ہیں۔ شاید یہ معنی فاضل شارح سے نظر انداز ہوگئے۔

صفحہ ۳۵ غزل ۴ شعر ۳ میں جملہ "سرو صنوبر خرام" واقع ہوا ہے۔ صنوبر کے خرام سے لائق شارح نے صنوبر کے جھومنے سے مراد لی ہے۔ اس سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے۔ خرام صرف پاؤں سے چلنے کو کہتے ہیں۔ اور صرف حیوان کی نسبت استعمال ہوسکتا ہے۔ اس جملہ میں یا تو خرام کی جگہ کوئی ہم قافیہ لفظ ہوگا۔ مثلاً غلام یا صنوبر کی جگہ کوئی دوسرا مناسب لفظ ہوگا۔ جو فعولن کے وزن پر ہو۔ چھاپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ گو سب دیوانوں میں ایسا ہی پایا جاتا ہے۔

اگرچہ فاضل شارح نے خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کو عامیانہ الزام شراب خوری سے بچانے کی پوری کوشش کی ہے۔ اور کامیابی کے ساتھ کی ہے۔ لیکن حاجی قوام کی محفل میں اُن کے ہاتھ میں ساغر شراب دے ہی دیا۔ دیکھو صفحہ ۵۹ سطر ۱۲ دریائے فلک اور کشتی ہلال کے غرق کرنے کے لیے آب خالص کا پیالہ کافی تھا۔

صفحہ ۶۴ غزل ۱ شعر ۴۔ اس طرح پر ہے۔

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

یہ شعر اگر محبوب حقیقی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تو بجا و درست ہے۔ کیونکہ محبوب حقیقی یا شاہد ازلی کے چہرے کو آب و رنگ و خال و خط کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں تو نور ہی نور ہے۔ لیکن ہم دنیا داروں کو یہ بات کیسے باور آسکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ "بچشم و بینی و دنداں چہ حاجت روئے زیبا را" اگر چشم و بینی و دنداں یا آب و رنگ اور خال و خط نہ ہوں تو روئے زیبا کہاں رہا۔ عشق کا تمام ہونا بھی معشوق کے واسطے کوئی تعریف کی بات نہیں ہوسکتی۔ مگر کچھ کہنے کا مقام نہیں ہے۔ اگر میں معشوق

محاورہ میں اس مضمون کو باندھتا تو اس طرح لکھ سکتا تھا۔

زساز و برگ آرایش جمال یار مستغنی ست ٭ بہ پان و سرمہ و مسّی چہ حاجت روئے زیبارا

لیکن حافظ کے کلام پر نکتہ چینی کرنا میں سخت گناہ سمجھتا ہوں۔ میں نے جو کچھ خیالات اس بارہ میں ظاہر کیے ہیں۔ وہ جناب خواجہ حافظ صاحب ہی کے روحانی ہمت و امداد کا طفیل ہی۔

بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود ٭ ایں ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

صفحہ ۹۳۔ غزل ۱۱۔ شعر ۲۔ اس طرح لکھا ہی:-

ز رقیب دیو سیرت بخدا ہمی پناہم ٭ مگر آں شہاب ثاقب مددے کند خدا را

اس شعر میں اگر دوسرے مصرع میں خدا کی جگہ سُہا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں ہی بھی سُہا بضم سین ایک بار یک ستارہ بنات النعش میں ہی۔ علاوہ اس کے دونوں مصرعوں میں خدا کی تکرار نہ ہوتی۔

صفحہ ۱۴۰۔ غزل ۵ شعر ۲۔ اس طرح لکھا ہی:

آں چہ زر می شود از پرتو آں قلب سیاہ ٭ کیمیائیست کہ در صحبت درویشاں ست

اس میں اگر بجائے "آں چہ" کے "آں کہ" لکھا جاتا تو شعر زیادہ بامعنی ہو جاتا۔

صفحہ ۱۹۹ غزل ۱۹۔ شعر اوّل کا اول مصرع یہ ہی:

لعل سیراب بخوں تشنہ لب یار من ست

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہی "لعل جو خون سے سیراب ہی وہ بھی میرے معشوق کے لبوں کا تشنہ ہی"۔ معلوم ہوتا ہی۔ کہ فاضل شارح نے "سیراب بخوں" کو ایک مرکب جملہ لعل کی تعریف و صفت میں سمجھا ہی۔ مگر اس تقدیر میں لفظ تشنہ میں اضافت ضروری تھی۔ میری ناقص رائے میں یہ صحیح نہیں ہی بلکہ "لعل سیراب" ایک جملہ ہی "بخون تشنہ" دوسرا جملہ ہی مطلب یہ ہی کہ ایسا آبدار لعل جو خون کا پیاسا ہو میرے یار کا لب ہی۔ لطف یہ ہی۔ کہ سیراب اور تشنہ دو متضاد اصطلاحیں جناب خواجہ صاحب نے خوبی کے ساتھ جمع کی ہیں۔

صفحہ ۲۷۵ غزل ۳۹ شعر ۵ حسب ذیل ہے۔

شمع دل دمسازان بنشست چو او برخاست

افغان نظر بازان برخاست چو او بنشست

اس کا مطلب یہ لکھا ہے۔ کہ "معشوق کے جدا ہونے پر عاشقوں کے دل بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے وصال میں بھی ان کو یک گونہ بے چینی ہوتی ہے"۔ میری رائے میں صرف دو قسم کے لوگوں کی کیفیت دلی کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ ایک دمساز یعنی وہ لوگ جو معشوق کے ساتھ انیس خلوت ہیں۔ دوسرے نظر باز جو اندر باریاب نہیں ہوتے۔ مگر باہر منتظر دیدار رہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب معشوق اٹھتا ہے تو دمسازوں کی دل کی شمع گل ہو جاتی ہے۔ کہ ہماری صحبت ختم ہو گئی لیکن جب وہ پھر بیٹھ جاتا ہے۔ تو باہر کے نظر بازوں کی جماعت سے مایوسی کا شور و غوغا اٹھتا ہے۔

صفحہ ۲۷۶۔ غزل ۴۰۔ اشعار ۷ و ۸۔ اس ترتیب سے لکھے ہیں۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق از و خیزد — کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاریست

جمال شخص نہ چشم است و زلف و عارض و خال — ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداری است

لیکن اگر ان اشعار کی ترتیب باہمی بدل دی جاتی یعنی دوسرا شعر اول لکھا جاتا۔ اور پہلا اس کے بعد تو قطعہ بند اشعار ہو جاتے۔ اور معنی میں لطف مزید پیدا ہو جاتا۔ یہ کہنا کہ سب نسخوں میں یہی ترتیب تھی کافی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کاتبوں کی دست برد سے یہ غلطی ہو گئی ہو۔

صفحہ ۲۸۰ غزل ۴۱ شعر ۵ حسب ذیل ہے:-

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از شام — ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

اس شعر میں شام کی جگہ روم کا لفظ لکھنا چاہیے تھا کیونکہ حضرت صہیبؓ رومی تھے۔ جیسا کہ خود شارح نے آگے لکھا ہے۔ بعض نسخوں میں شام کا لفظ غلط چھپا ہے۔ اس شعر کے متعلق ایک اور بات عرض کرنے کے قابل ہے۔ حضرت بلالؓ و حضرت صہیبؓ کے حالات یکساں ہیں۔ اس لیے اس مرة میں

شریک ہونے کے واسطے ثالث ثلاثہ بھی اسی قسم کا آدمی ہونا چاہیے تھا۔ صرف ایک ہی نام تھا جو اس جماعت میں شریک ہونے کے لیے سب سے زیادہ مستحق تھا یعنی حضرت سلمان فارسیؓ ان تینوں کے حالات یکساں ہیں تینوں شخص غیر مسلم ملکوں کے رہنے والے تھے۔ کفار کی غلامی میں تھے۔ اسلام نے ان کو آزاد کرایا۔ اور شہرت اور ناموری کا وہ درجہ عطا فرمایا جو بادشاہوں کو نصیب نہ ہوا۔ حضرت سلمان رضؓ کے مرتبہ کے آگے شاپور و خسرو پرویز کی کوئی حقیقت نہ تھی حضرت بلال رضؓ کے روبرو ابرہا و نجاشی کی کچھ حیثیت نہ تھی حضرت صہیب رضؓ کے مرتبہ پر سکندر و قیصر بھی رشک کرتے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے حضرت سلمان رضؓ فارسی کے نام کو بہ مجبوری ترک کیا۔ کیونکہ سلمان رضؓ زپارس کا لفظ اس بحر میں کسی طرح نہیں آسکتا تھا۔ اور نہ ان کی متجسس نگاہ سے ایسا ممیز و ممتاز نام پوشیدہ رہ سکتا تھا اس کے مقابلہ میں "حسن زبصرہ" کا جملہ ایک بھرتی کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ تو حسن بصری صحابی تھے۔ نہ کفر یا غلامی کی حالت میں رہ چکے تھے نہ کسی غیر مسلم ملک کے رہنے والے تھے۔ بصرہ خود مسلمانوں نے آباد کیا تھا۔ اور ایک اسلامی شہر تھا۔ ثابت کرنا یہ تھا کہ دور و دراز غیر مسلم ملکوں سے لوگ آکر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

اس جلد کی آخری غزل جو صفحہ ۳۰۸ پر درج ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی ایک غزل پر کہی گئی ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:-

عشق ورزیدم و عقلم بملامت برخاست   ہر کہ عاشق شد از و حکم سلامت برخاست

اس میں شک نہیں کہ حافظ کی غزل بہت مجموعی سعدی کی غزل سے بڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ سعدی کے ہر قافیہ کو حافظ نے بھی اس سے بہتر طریقے سے باندھا ہے۔ مطلع بھی حافظ کا بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ سعدی کے مطلع میں پہلے مصرعہ کے بعد کاف بیانیہ محذوف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نقشِ اوّل سے نقش ثانی بہتر ہوتا ہے لیکن حافظ کا مقطع گو اپنے رنگ میں عمدہ ہے مگر بڑھے سعدی کا مقطع بلاغت کا عطر ہے۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے معمولی الفاظ میں ایک بڑا مضمون بیان کر دیا ہے۔ جو ان ہی کا کام تھا۔ وہو ہذا:-

دی زمانے۔ بر سعدی بے تکلف بنشست

فتنہ بنشست۔ چو برخاست قیامت برخاست

اس میں ایک حرف بھی حشو کا نہیں۔ نہ کسی لفظ کا بدل کوئی دوسرا لفظ ہو سکتا ہے یہی کمال بلاغت ہے۔ اب میں ترجمہ اور شرح کی خوبیوں کی نسبت بھی کچھ رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو　　　نفی حکمت مکن از بہر دلِ عامے چند

ہر شعر کا ترجمہ اور شرح لائق شارح نے پوری وضاحت سے کی ہے۔ برخلاف دوسرے شارحین کے جو مشکل اور حل طلب اشعار کو بالکل چھوڑ جاتے ہیں۔ یا "کما فی الشرح" یا "فافہم" لکھ کر سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

تصوف کے نکات اور نیز وہ فلسفہ جو خواجہ علیہ الرحمۃ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔ لائق شارح نے بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بالخصوص جبر و قدر کی مسئلہ کی شرح بہت خوبی اور وضاحت سے کی ہے۔ اور اس بارہ میں حکمائے یورپ کے خیالات کا خلاصہ بھی بہت قابلیت سے لکھا ہے۔ بہ ہیئت مجموعی یہ ایک بے نظیر کتاب شائع ہوئی ہے جو زبان اردو کے ادبی ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ جس سے کوئی کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہیے شارح کی "تلاش و جانکاہی" قابل داد ہے۔ ہر مضمون کے متعلق دوسرے اردو اور فارسی اشعار کمال موزونیت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ جس سے مولف کی وسعت معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آئندہ جلدوں کی خوبیاں بھی اسی پر قیاس کی جاسکتی ہیں۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

مجھ کو امید ہے کہ میری نکتہ چینی جو آزادانہ اور محققانہ طریقہ پر کی گئی ہے۔ اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔ شارح کو ناگوار خاطر نہ ہو گی۔

گر خاطر شریفت رنجیدہ شد زحافظ

باز آ کہ توبہ کردیم از گفتہ و شنیدہ

جلد دوم

بعزم توبہ نہادم قدح زکف صد بار
ولے کرشمۂ ساقی نمی‌کند تقصیر

جناب میر ولی اللہ صاحب بی اے - ایل - ایل - بی وکیل (ایبٹ آباد (پنجاب)) نے دیوان حافظ کی شرح بعنوان صد رو جلد وں میں چھپوائی ہے جو ہنوز نا مکمل ہے - اس کی تکمیل کے لیے غالبًا دو جلدیں اور درکار ہونگی - ابھی دال کی ردیف بھی پوری نہیں ہوئی ہے - اس میں شک نہیں ہے کہ لائق مصنف نے نہایت محنت اور احتیاط سے یہ کتاب لکھی ہے - اور جناب خواجہ حافظ علیہ الرحمہ کی سوانح عمری بھی بہ نسبت اور کتابوں کے زیادہ مفصل دی ہے - اور خُذ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرْ پر عمل کیا ہے لیکن بعض اشعار کے معنے میں مجھے اختلاف بھی تھا جو ایک قدرتی بات ہے - اس لیے جلد اول پر میں نے ایک تنقیدی مضمون دو حصوں میں لکھا جو وکیل اخبار (لاہور) مطبوعہ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اور اخبار ذو القرنین (بداؤں) مطبوعہ ۱۴ ستمبر و ۲۱ ستمبر و ۲۸ ستمبر ۱۹۱۶ء میں چھپا تھا -

دوسری جلد کی نسبت میں نے اپنا ریویو ابھی کسی اخبار یا رسالہ میں نہیں چھپوایا ہے - اور نہ چھپوانے کا ارادہ تھا - میرا فرض مجھ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ جس کام کو شروع کیا ہے اُس کو ادھورا نہ چھوڑوں - اور پبلک کے فائدہ کے واسطے اس کو بھی اور نیز جو آئندہ جلدیں لسان الغیب کی نکلیں اُن کے متعلق بھی اپنے اختلافات اور اپنی رائے کا اعلان کسی علمی رسالہ کے ذریعہ سے کروں - یہ ریویو صرف اُن ہی اشعار کے متعلق جن کے معنی وغیرہ میں مجھ کو اختلاف ہے - نہایت مختصر الفاظ میں ہوگا - اور اگر کوئی صاحب میری کسی غلطی پر مجھکو مطلع فرمادیں گے تو نہایت ممنون ہونگا - اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرونگا - کیونکہ مجھ کو زبان دانی کا ٹرا دعویٰ نہیں ہے -

البتہ جناب خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے کلام حکمت موعظت التیام سے کسی قدر دلچسپی ہے اور عجیب نہیں ہے۔ کہ اُن کا روحانی فیض مجھ کو اس دشوار گذار منزل میں خضر راہ کا کام دے۔

قطع این مرحلہ بے ہمرہی خضر مکن   ظلمات است بترس از خطر گمراہی

ردیف (ت) غزل ۴۹ شعر ا۔

روے تو کس ندید و ہزارت رقیب ہست   در غنچہ ہنوز و صدت عندلیب ہست

لفظ رقیب کے معنی کی نسبت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ "دو آدمی جو ایک ہی معشوق پر عاشق ہوں ایک دوسرے کے رقیب کہلاتے ہیں" میری رائے میں صحیح نہیں ہے۔ گو ہندوستان میں بالفعل رقیب کے یہی معنے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر شعرائے متقدمین رقیب کی اضافت معشوق کی طرف کرتے تھے۔ یعنی معشوق کے رقیب کہلاتے تھے نہ کہ عاشق کے جیسا کہ خود اس شعر سے ظاہر ہے۔ ت کی ضمیر مخاطب یعنی معشوق کی طرف ہے۔ اگر ہزارت کی جگہ ہزارم ہوتا تو وہ معنی ہو سکتے تھے مثالاً فرہاد شیریں کا رقیب تھا نہ کہ خسرو کا۔ خواجہ صاحب نے دوسرے اشعار مندرجہ ذیل میں بھی رقیب کے لفظ کو اسی معنے میں استعمال کیا ہے:

از رقیبت دلم نیافت خلاص   زانکہ القصاص لایجب القصاص

دلبرا بندہ نوازیت کہ آموخت بگو   کہ من این ظن برقیبان تو ہرگز نبرم

غزل ۵۵ شعر ۲

ز جور کوکب طالع سحرگہان چشمم   چنان گریست کہ خورشید دید و مہ دانست

دوسرے مصرعہ میں شارح صاحب نے خورشید و مہ کو مفعولی معنی میں لیا ہے اور مطلب یہ لکھا ہے کہ میری آنکھوں نے خورشید کو دیکھا اور اُس کو چاند جانا۔ میری رائے میں خورشید و مہ فاعلی حالت میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے رونے کو خورشید نے دیکھا۔ اور چاند بھی مطلع ہو گیا۔ گویا دو گواہ پیش کرتے ہیں۔

غزل ۶۲ شعر ا

برد ای زاہد دعوت نکنم سوے بہشت

اس مصرع میں نکنم کے معنے "نکن مرا" لکھے ہیں۔ میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہی نکن کوئی لفظ نہیں ہی۔ اگر کن (صیغہ امر) سے نہی بنایا جاتا تو قاعدے کے بموجب مکن ہوتا۔ اس لیے بجاے نکنم کے مکنم پڑھنا چاہیے۔

غزل ۷۳۔ شعر ۲ مصرعہ دوم

درخرابات نہ پرسید کہ ہشیار کجا است

اس مقام پر بھی اُن ہی وجوہ سے جو ابھی بیان ہوئی ہیں نہ پرسید کی جگہ مپرسید ہونا چاہیے۔

غزل ۷۶، شعر ۲ و ۳ کی ترتیب حسب ذیل لکھی ہی:۔

زرطل دردکشان کشف کرد سالک راہ   رموز غیب کہ در عالم شہادت رفت

بیا و معرفت من شنو کہ در سخنم   ز فیض روح قدس نکتۂ سعادت رفت

اگر ان اشعار کی باہمی ترتیب بدل دی جاتی تو قطعہ بند اشعار زیادہ با معنی ہو سکتے تھے۔

غزل ۸۲۔ مقطع کا مصرعہ اخیر

چہ این نگفتہ ام آنکس کہ گفت بہتان گفت

یہاں بجاے چہ این کے اگر من این لکھا جاتا تو زیادہ با معنی ہوتا

غزل ۸۸۔ شعر ۷

راز بکہ برخلق نہفتیم و نگفتیم

اس مصرع میں نہفتیم و نگفتیم کی بجائے نگفتیم و نہفتیم لکھا جاتا تو بہتر تھا۔ خوبی ظاہر ہی۔

ردیف دال۔ غزل ا شعر ا۔

دور مجنوں گذشت و نوبت ماست

اِس مصرع میں الفاظ "مطرب کہ میگویٔد" کا ترجمہ عالم مصنّف نے لکھا ہے "مطرب جو گاتا ہے"۔ میری رائے ناقص میں یہ صرف ایک استفہامی جملہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کون شخص یہ مژدہ سناتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں آگئیں۔ اسی غزل کے شعر ۶ میں بجائے بر باد کے در بید زیادہ مناسب ہوتا۔

غزل ۷ شعر ۳۔

چہ گویمش کہ چرا باکساں بیامیزی

میں بجائے چہ کے چو زیادہ بامعنی تھا۔

غزل ۸ شعر ۲۔

اول بیانگ نائے و نئے گو بمن پیغام دے

یہاں دے کی جگہ دے بھی ہو سکتا ہے جو آغاز موسم سرما کا مہینہ ہے اور نومبر کے مطابق ہے۔

غزل ۹ شعر ۴۔

گہ لطف می نمائی و گہ طعنہ می زنی ما نیستیم معتقد مرد خود پسند

اول مصرع میں لطف کی جگہ اگر طرہ کا لفظ ہوتا جو اکثر نسخوں میں ہے تو زیادہ موزوں تھا کیونکہ واعظ کی طرف خطاب معلوم ہوتا ہے۔ طرہ سے مراد طرہ دستار ہے۔

غزل ۱۱ شعر ۴۔

بہاے بادہ چوں لعل چیست جوہر عقل

اِس کا ترجمہ و مطلب فاضل مصنّف نے یہ لکھا ہے کہ بادہ لعل رنگ کی قیمت جوہر عقل کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس جملہ میں استفہام مع الجواب ہے۔ اول پوچھا ہے کہ بادہ لعل فام کی قیمت کیا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے۔ کہ جوہر عقل۔ اگلے مصرع میں بتایا ہے کہ یہ تجارت بہت نفع کی ہے۔

غزل ۱۶ شعر ۵ - مصرع اول:

بصفائے دل رندان صبوحی زدگان

قابل مصنف نے "صبوحی زدگان" کا ترجمہ "صبوحی پینے والے" لکھا ہے۔ زدگان زدہ کی جمع ہے جو مفعولیت کے معنی میں آتا ہے نہ فاعلیت کے۔ اگر فاعلی کے معنی مراد ہوتے تو زدگان کی جگہ زنندگان یا زنان لکھتے۔ میرے خیال میں اس جملہ کی ترکیب ایسی ہی ہے جیسے فاقہ زدگان کی جس کے معنے فاقہ کے مارے ہوئے ہیں۔ اسی طرح صبوحی زدگان کے معنی شراب صبوحی کے مارے ہوئے ہو سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جو بوجہ نہ میسر آنے صبوحی کے مبتلائے رنج والم ہیں۔ مے زدہ اور شراب زدہ بھی اسی معنی میں آتا ہے۔

غزل ۲۲ - مقطع۔

حافظ کہ سر زلف بتاں دست کش بود

یہاں لفظ دست کش کی جگہ اگر دست خوش لکھا جاتا جو اکثر نسخوں میں ہے۔ تو زیادہ با معنی ہوتا دست خوش بمعنی مغلوب اور پائمال آتا ہے۔

غزل ۲۳ - شعر ۴۔

بیا بیا چو توحور بہشت را رضواں ‎ ‎ ‎ دریں جہاں ز برائے دل رہی آورد

یہ شعر موجودہ حالت میں کچھ مہمل سا معلوم ہوتا ہے رہی کے لغوی معنے بندہ اور غلام کے ہیں لیکن متکلم کے معنے میں اس کا استعمال کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اگر یہ شعر اس طرح ہوتا

بیا بیا کہ طہور بہشت را رضواں ‎ ‎ ‎ دریں جہاں ز برائے دلم رہی آورد

تو بامعنی ہو سکتا تھا۔ طہور سے مراد شراب طہور ہے جو بہشت میں ملے گی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ رہی بمعنی رہ آورد (یعنی وہ چیز جو راہ دور سے بطور تحفہ لائی جائے) استعمال ہوا ہے مطلب صاف ہے۔

غزل ۲۷ - شعر ۳۔

بہر زہ بے مے و معشوق عمر می گذرد

اس میں نے کا ترجمہ سوا کیا گیا ہے صحیح ترجمہ بغیر ہے۔

غزل ۳۸۔ شعر ۸۔

مرید پیر مغانم ز من مرنج ای شیخ　　　چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد

اس شعر کا خلاصہ مطلب یوں بیان ہوا ہے کہ ای شیخ تونے اسرار معرفت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ پیر مغاں نے ان اسرار سے واقف کر دیا۔ اس لیے میں ان کا مرید ہو گیا۔ میرے خیال میں اس قدر دور جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسرار معرفت سے کچھ بحث نہیں ہے مطلب صرف یہ ہے کہ شیخ نے شراب پلانے کا وعدہ بہشت پر معلق کیا تھا۔ پیر مغاں نے اس وعدہ کا ایفا یہاں ہی کر دیا اس لیے میں اس کا مرید ہو گیا۔ کیونکہ "نقد را بہ نسیہ گذاشتن کار خردمنداں نیست"۔

غزل ۴۰۔ شعر ۴۔

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست　　　بوسہ چند بیامیز بدشنامے چند

اس شعر کا مطلب عالم مصنف نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ ہمارے دل کا علاج گلقند نہیں بلکہ قند کی جگہ چند بوسے اور گل کی جگہ چند دشنام ملا کر دو"۔ میری رائے میں گلقند کے نسخہ کی ترکیب الٹ دی گئی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بوسہ گل رخسار بجائے گل اور دشنام از لب شیریں بجائے قند ہے۔ بوسہ کو قند سے اور دشنام کو گل سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

غزل ۴۸۔ شعر ۶

ز بخت خفتہ ملولم۔ بود۔ کہ بیداری　　　بوقت فاتحہ صبح یک دعا بکند

اس شعر کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ کہ "میں اپنے بخت خفتہ سے ملول ہوں شاید کہ بیداری شروع صبح کے وقت کوئی دعا کرے"۔ مصنف نے بیدارے بیائے مجہول لکھا ہے جس کو بائے تنکیری یا وحدانی بھی کہتے ہیں۔ مطلب اخیر حصہ کا یہ ہے۔ کہ "کیا خوب ہو کہ کوئی بیدار دل شخص صبح کے وقت میرے حق میں دعائے خیر کرے۔

غزل ۵۳۔ شعر ۱۰۔

بحیات ابدآں روز رسانید مرا   خط آزادگی از حسن مماتم دادند

لایق مصنف نے حسن ممات کا ترجمہ موت کا قلعہ لکھا ہے۔ میری رائے میں بجائے حسن ممات کے حُسن ممات ہونا چاہیے۔ جس سے مراد خاتمہ بالخیر ہے۔

غزل ۵۴۔ مطلع

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند   گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

مصرعۂ دوم کا ترجمہ لکھا گیا ہے کہ "آدم کی مٹی کو گوندھا اور پیالہ بنایا" "بہ پیمانہ زدند" کے معنے میرے نزدیک "پیالہ میں ڈالدیا" زیادہ موزوں تھے یعنی گل آدم کو گوندھ کر پیالہ شراب میں ڈال دیا اس لیے شراب اُس کے خمیر میں داخل ہوگئی۔ اگر وہ مٹی پیالہ بنانے میں صرف ہوتی تو آدم کس چیز سے بنتے۔

غزل ۵۹ جس کا مطلع یہ ہے۔

دوش در حلقۂ ما قصۂ گیسوئے تو بود   تا دل شب سخن از سلسلہ موئے تو بود

اس جلد کی اخیر غزل ہے۔ یہ اسی زمین میں ہے جس میں امیر حسن سنجری دہلوی کی مشہور غزل ہے جس کے تین اشعار ذیل میں دیے جاتے ہیں۔ اور جو تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کی صحیح نقل کہیں نہیں ملی۔

آنکہ دل بُرد ز من نرگس جادوے تو بود   وانکہ جاں را بہ تن آورد ہمان بوئے تو بود

کافراں سجدہ کہ در روئے بتاں میکردند   ہمہ رو سوئے تو بود و ہمہ سو روئے تو بود

صبحدم باد صبا زلف ترا برہم زد   دل مسکین حسن در خم گیسوے تو بود

جلد اول کی اخیر غزل کے مقابلہ میں سعدی علیہ الرحمۃ کی غزل اسی بحر اور قافیہ ردیف میں میں نے پیش کر کے موازنہ کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جناب خواجہ صاحب کی کل غزل مرصع ہے اور نقش ثانی ہے۔ مگر بڑھے سعدی کا مقطع اعجاب اور بلاغت کا عطر ہے۔

دی زمانے۔ بر سعدی بتکلف بنشست   فتنہ بنشست چو برخاست قیامت برخاست

جلد سیوم

ستارۂ بدرخشید دماہ مجلس شد
دلِ رمیدۂ ما را انیس دمونس شد

الحمدللہ کہ لسان الغیب یعنی شرح دیوان حافظ جس کا آغاز دو سال پیشتر ہوا تھا۔ اب مکمل ہو کر چار جلدوں میں نمودار ہوئی ہے۔ اول دو جلدوں کی نسبت میں اپنی رائے کا اظہار اخبارات ذوالقرنین اور پیسہ اخبار اور رسالۂ مخزن میں کر چکا ہوں۔ تیسری اور چوتھی جلدیں اب میرے پاس پہونچی ہیں اُن کی نسبت بھی میں ایک مختصر گذارش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

یہ تو میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ فاضل شارح یعنی مولوی میر ولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد (پنجاب) نے جس قابلیت اور تحقیق و تلاش سے اس مشکل کام کو انجام دیا ہے کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ وہ قوم اور ملک پر ایک بھاری احسان ہے۔ اس سے پیشتر دیوان حافظ کی کوئی مکمل شرح یا صحیح ترجمہ اُردو میں نہ تھا اور فارسی میں بھی اس کی ہم پلہ کوئی شرح میری نہیں دیکھی۔

اس وقت میں نے اس کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لیے قلم نہیں اُٹھایا ہے بلکہ صرف اُن اُمور کو مختصراً بیان کروں گا جو میری رائے میں اس شرح میں تکمیل طلب باقی رہ گئے ہیں تاکہ طبع ثانی کے وقت لائق شارح اُن پر غور کر سکیں۔ میرا اختلاف رائے بطریق نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ اس جوہر بے بہا کو ہر قسم کے نقص سے پاک و مبرا دیکھوں۔ اس سے فاضل شارح کی قابلیت میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی کیونکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ شطرنج کے کھیل میں اوپر والے شخص کو ایسی چال سوجھ جاتی ہے جو شاطروں کو نظر نہیں آتی ہے۔ اس وقت جلد سیوم کے بعض اشعار کے معنی سے بحث کروں گا۔

ردیف (د) غزل ۹۶

دوش می آمد و رخساره برافروخته بود　　تاکجا باز دلِ غمزدہ سوختہ بود

مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہی "تاکہ دیکھیے) کہ جلا ہوا غمزدہ دل کہاں ہی" اس مصرعہ کا با محاورہ ترجمہ میرے نزدیک صرف یہ ہی "(خدا جانے) پھر کسی غمزدہ کا دل کہاں جلا ہوگا" پہلے مصرع میں معشوق کی جو ہیئت کذائی بیان کی ہی اس سے جس نتیجہ کا اندیشہ تھا وہ دوسرے مصرع میں بیان ہوا ہی۔

د ۹۶　　یار مفروش بدنیا کہ بسے سود نکرد
آنکہ یوسف بزرِ ناسرہ بفروختہ بود

یہ شعر اگر اس طرح لکھا جائے تو زیادہ با معنی ہوسکتا ہی۔

ناز مفروش بدنیا کہ بسے سود نکرد　　زانکہ یوسف بزرِ ناسرہ بفروختہ بود

مطلب یہ ہی کہ دنیا پر ناز کا اظہار مت کرو یعنی حسن پر فخر مت کرو کیونکہ حضرت یوسفؑ جیسا حسین کھوٹے داموں بکا تھا۔ یار مفروش کے معنی ٹھیک نہیں۔

د ۹۷ "وشد بر محتسب و کار بدستوری کرد" کا ترجمہ فاضل شارح نے یہ کیا ہی کہ "محتسب کے پاس گئے اور اجازت سے کام کیا" میری رائے میں دستوری کے معنی اجازت کے نہیں ہیں بلکہ مزید علیہ دستور کا ہی معنی یہ ہیں کہ بدستور کام کرنے لگے۔

د ۹۷　　"عرض مال دل و دین در سر مغروری کرد"

مصرعہ آخر میں عرض مال مضاف و مضاف الیہ نہیں ہیں بلکہ عرض و مال زیادہ صحیح معنے رکھتے ہیں۔

د ۹۸　　درین باغ از خدا خواہد درین پیرانہ سر حافظ
نشیند برلب جوئے وسروے درکنار آرد

اس شعر میں از کی بجائے ار زیادہ با معنی ہی۔ پہلی قرأت میں کاف بیانیہ محذوف رہتا ہی لیکن

آر بمعنی اگر پڑھنے سے کسی حرف کی کمی بیشی کی ضرورت نہیں ہوتی اور معنی بہتر ہو جاتے ہیں۔

د ۲۷ "یا جاں رسد بجاناناں یا جاں زتن برآید"

اس کو اگر اس طرح لکھا جائے۔

باتن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

تو زیادہ موزوں ہوگا۔ ارباب بصیرت پر خود روشن ہوگا۔

د ۸۶/۴ ص پیر گلرنگ من اندر حق از رق پوشاں

رخصت بحث ندا دار نہ حکایت ہا بود

مصرعہ ثانیہ میں بحث کی جگہ خبث زیادہ بامعنی ہوگا۔ خبث بمعنی بدگوئی۔

د ۸۹/۴ ص بعمرے یک نفس با ما بنشینند برخیزند

نہال شوق در خاطر چو بنشینند بنشانند

دوسرے مصرع میں بنشینند کی جگہ برخیزند زیادہ بامعنی تھا۔

د ۸۹/۷ ص بدین حضرت چو مشتاقاں نیاز آرند ناز ارند

بدیں درگاہ حافظ را چو میرانند میرانند

مصرعہ دوم میں چو میرانند میرانند کے یہ معنی کہ جب نکالتے ہیں تو پھر بلا لیتے ہیں صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ میری رائے میں یہ معنی ہیں کہ جو لوگ اس مجلس سے حافظ کو نکالتے ہیں وہی میر مجلس ہیں۔

د ۹۱/۸ ص خیال آب خضر بست وجام کیخسرو

بجرعہ نوشی سلطان ابوالفوارس شد

مصرعہ دوم کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ "ایک ہی گھونٹ پینے سے سلطان ابوالفوارس ہو گیا"

اس ترجمہ میں جرعہ نوشی کی "ی" کی اضافت نے کارہو جاتی ہے۔ صاف معنی یہ ہیں کہ بادشاہ کی شراب کا ایک گھونٹ پینے سے ابوالفوارس بن گیا۔ ابوالفوارس کا لقب ایران کے کئی زبردست

بادشاہوں نے اختیار کیا تھا یعنی شہنشاہ فارس۔

د ۹۱/۹ ص چو زر عزیز وجود است شعر من آرے

قبول دولتیاں کیمیاے ہرمس شد

کیمیاے ہرمس کے معنی ٹھیک بیان ہوئے ہیں۔ ایک صنعت اور بھی ہے کہ ہرمس اعظم جو مصر کا ایک قدیم بادشاہ اور حکیم اور پیشواے مذہب تھا کیمیا کا موجد خیال کیا جاتا ہے۔

د ۹۴/۹ ص وفا از خواجگان شہر با من

کمال دین و دولت بوالوفا کرد

اس شعر کے لفظی معنی لکھتے ہیں اور مترجموں اور شارحوں نے فاش غلطی کی ہے۔ مگر ہمارے لائق شارح نے صحیح معنی لکھے ہیں صرف یہ کمی ہے کہ کمال الدین ابوالوفا کا نام صراحت طلب ہے۔ خواجہ کمال الدین ابوالوفا شاہ شجاع کا دوسرا وزیر تھا جو ۷۶۴ھ میں خواجہ قوام الدین عیار وزیر کے قتل کے بعد اور خواجہ جلال الدین توران شاہ وزیر سے پہلے وزارت پر مقرر ہوا تھا۔ اور جناب خواجہ صاحب کا مربی و محسن تھا۔

د ۹۷/۹ ص شراب عیش نہاں چیست کار بے بنیاد

زدیم بر صف رنداں و ہرچہ باد اباد

"شراب عیش نہاں" کی جگہ "شراب و عیش نہاں" زیادہ بامعنی ہوتا۔

د ۹۹/۱ ص صوفی نہاد دام و سر حقہ باز کرد

بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

مصرعہ ہذا میں "سر حقہ" کی جگہ "در حلقہ" زیادہ موزوں تھا۔ صوفی سے حلقہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اہل بصیرت پر اس کی خوبی ظاہر ہے

د ۱۰۰/۹ ص پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت

آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

اس شعر کے متعلق مجھ کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے قابل شارح نے وہی معنی بیان کیے ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں لیکن میرا خیال دوسرا ہے۔

خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے تمام کلام سے اُن کا یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ انسان کو مجبور محض سمجھتے تھے یعنی وہ اپنے کسی فعل کا مختار نہیں ہے جو طریقۂ عمل روز ازل میں اُس کی قسمت میں لکھا گیا ہے وہ اُس سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

نصیب من چو خرابات کردہ است الٰہ | دریں میانہ بگو زاہدا مرا چہ گناہ

کسے کہ در ازلش جام مے نصیب افتاد | چرا بحشر کنند ایں گناہ را در خواہ

مرا روز ازل کارے بجز رندی نفرمودند | ہر آں قسمت کہ آنجا شد کم و افزوں نخواہد شد

جناب خواجہ صاحب کے نزدیک تمام نیک و بد، خیر و شر خطا و صواب کا بانی اور فاعل صرف ایک ذات واحد ہے جس میں دوئی کی گنجایش نہیں بلکہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ فاعل سمجھنا گویا یزدان واہرمن کے متخالف کمپوں کا از سر نو قایم کرنا ہے اور یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں خواجہ صاحب کے نزدیک ثنویت کی بو آتی ہے اور جو شرک کی حد تک پہنچتا ہے۔ اسی خیال سے وہ گناہ و معصیت کو بھی اپنی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتے اور فرماتے ہیں:۔

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ

تو در طریق ادب کوش و گو گناہ منست

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست | کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

اُن کے نزدیک کفر بھی لوازمات سے ہے کیونکہ اگر وہ نہ ہو تو خدا کی ایک بڑی صنعت (یعنی دوزخ) بیکار ہو جائے گی۔ شعر ذیل ملاحظہ ہو:۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است | آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے عقیدے کے موافق ہر کام کو خواہ وہ اچھا ہو یا برا خدا کی طرف سے سمجھنا چاہیے چنانچہ فرماتے ہیں۔

گر رنج پیشت آید و گر راحت ای حکیم نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند

ایسے خیالات کے آدمی کی نظر سے جب قرآن مجید کی یہ آیت گذری:۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (سورۃ النساء آیۃ ۸۱)

یعنی تم کو جو بھلائی پہونچے اُس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھو اور جو برائی پہونچے اُس کو اپنے نفس کی طرف سے (سورۃ النساء آیۃ ۸۱) تو لپنے مستحکم عقیدہ کے لحاظ سے شعر زیر بحث میں ایک نہایت لطیف پیرایہ میں تلمیح کی مطلب یہ ہو کہ خطا (یا گناہ) کو جو ہمارے پیر نے کلک قدرت کی طرف منسوب نہیں کیا ہو وہ فی الحقیقت اپنی عالی ظرفی سے ایک قسم کی خطا پوشی کی ہو جس کے واسطے وہ مستحق تحسین و آفرین ہیں۔ جناب خواجہ صاحب کا یہ خیال "ہمہ از دست" کے درجہ سے گذر کر "ہمہ اوست" کی حد تک پہونچ گیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ندیم و مطرب و ساقی ہمہ اوست خیال آب و گل در رہ بہانہ

اسی مسئلہ (ہمہ اوست) کو راقم الحروف نے اپنے مضمون فلسفہ کائنات (مطبوعہ رسالہ دلگداز لکھنؤ بابت فروری ۱۹۱۱ء) میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

د ۱۱۲ ص صبا بہ تہنیت پیر مے فروش آمد
که موسم طرب و عیش و ناز و نوش آمد

"ناز و نوش" کی جگہ "نا و نوش" انسب تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ نغمہ نے سننا اور شراب پینا "ناز و نوش" کوئی محاورہ نہیں سنا گیا۔

د ۱۱۳ ص سر ز حیرت بدر میکدہا بر کردم
چون شناسائی تو در صومعہ یک پیر نبود

سر بر کردن بمعنی سر بلند کردن استعمال ہوتا ہو یعنی گردن بلند کر کے کسی چیز کو جھانکنا یہی خیال اس جگہ ظاہر کیا ہے۔

د ۱۱۴ ص از لعل تو گر یابم انگشتر زنہا ۔

صد ملک سلیمانم در زیر نگیں باشد

"از لعل تو گر یابم انگشتر زنہارے" کی بجائے "از لعل تو گر یابم انگشتری زنہار" لکھا جائے تو مصرع تقطیع میں ٹھیک ہو جائے بروزن مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلان بحر ہزج مثمن اخرب مسبغ۔

(۱۱۵) در کار گلاب و گل حکم ازلی ایں بود

کاں شاہد بازاری ویں پردہ نشیں باشد

اس میں دوسرا مصرع اگر اس طرح لکھا جاتا تو ٹھیک تھا۔ "کاین شاہد بازاری واں پردہ نشیں باشد"

فارسی زبان کا یہ ایک عام قاعدہ ہی کہ جب دو چیزوں کا ذکر ہو تو ایں کا اشارہ شئے قریب کی طرف ہوتا ہی۔ اور آں کا بعید کی طرف۔ اس شعر میں اول گلاب کا اور بعد کو گل کا ذکر ہوا تھا اس لیے گل دوسرے مصرع سے قریب تر تھا اس کے لیے ایں لانا چاہیے تھا۔ اور گلاب کے لیے آں۔ جناب خواجہ صاحب نے جا بجا اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا ہی۔ مثلاً شعر ذیل میں:۔

از بہر بوسہ زلبش جاں ہمی دہم

اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

ایں کا اشارہ جان کی طرف ہی اور آں کا بوسہ کی طرف۔ سعدی کے شعر ذیل میں بھی یہی قاعدہ ملحوظ ہی:۔

سگ و دربان چو یافتند غریب ایں گریباں گرفت و آں دامن

(۱۱۶) ز دست شاہد سیمیں عذار عیسیٰ دم

شراب نوش و رہا کن حدیث عاد و ثمود

اس کے اول مصرع میں الفاظ سیمیں عذار نے موقع بطور حشو کے معلوم ہوتے ہیں حافظ جیسے

اُستاد کا کلام بھرتی کے الفاظ سے پاک ہونا چاہیے۔ میری رائے میں جناب خواجہ صاحب نے بجائے سہیں عذار کے یوسف جمال لکھا ہوگا جس سے شعر نہایت موزوں ہوجاتا ہی جو ارباب ذوق سلیم سے پوشیدہ نہیں ہی۔ علاوہ اس کے یہ صنعت بھی ہی کہ ایک مصرع میں دو نبیوں کا ذکر ہی اور دوسرے مصرع میں دو مشہور راستوں کا یا قوموں کا۔

د ۱۲۳ اس مشہور غزل کے متعلق جس کا مطلع یہ ہی۔

مژدہ ای دل کہ مسیحا نفسے می آید　　کہ ز انفاس خوشش بوے کسے می آید

لایق شارح کا خیال ہی کہ خواجہ صاحب نے اس غزل میں اپنی شرح صدر کی طرف اشارہ کیا ہی لیکن بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ غزل حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ کے خیر مقدم میں لکھی گئی ہی جب وہ بخارا سے بعزم حج روانہ ہوکر وارد شیراز ہوے تھے۔ غزل کے مضمون سے بھی ایسا ہی پایا جاتا ہی۔ بلکہ بعض لوگوں کا خیال ہی کہ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ نے اُن کے دست مبارک پر بیعت بھی کی تھی مقطع کے مضمون کا اشارہ بھی اس کا موید ہی۔ لکھتے ہیں ؎

یار دارد سر صید دل حافظ یاراں　　شاہبازے بشکار مگسے می آید

د ۱۲۷　　سمند دولت اگر تند و سرکش است ولے
　　ز ہمرہان بسر تازیانہ یاد آرید

اس شعر کے مصرع ثانیہ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہی کہ "تازیانہ کے ذریعہ ہمراہیوں کو یاد کرو" مطلب بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میرے نزدیک اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ دولت کا گھوڑا تند و سرکش ہی اور تیز جانا چاہتا ہی لیکن اس کو روکنا چاہیے اور اُن غریب ہمراہیوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے جو کوڑوں کے زور سے اُس کے ساتھ دوڑائے جا رہے ہیں، اُمرا کا دستور ہی کہ جب سیر و شکار کو سوار ہوتے ہیں تو اُن کا اسباب غلام ساتھ لے جاتے ہیں۔ اگر سواری تیز ہوتی ہی تو اُمرا کے سپاہی یا اردلی کے سوار اُن لوگوں کو کوڑے مار مار کر

تیز چلنے پر مجبور کرتے ہیں اسی رسم کی طرف اشارہ ہے۔

د۔ ۱۳۷ ص گرچہ با عہد شکستیم وگفت حافظ کرد

لطف او بین کہ بصلح از در ما باز آمد

مقطع کے آخر حصہ "از در ما باز آمد" کا ترجمہ ہمارے دروازہ سے اندر آیا" کیا گیا ہے "ہمارے دروازہ سے پھر آیا" یعنی پھر داخل ہوا ہونا چاہیئے۔

د۔ ۱۳۸ ص تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن

کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

"کہ دوست خود روش بندہ پروری داند" میں دوست کی جگہ خواجہ کا لفظ ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ خواجہ اور بندہ میں (یعنی آقا اور غلام میں) مناسبت ہے۔ دوست کو بندہ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

د۔ ۱۳۹ ص مطربا مجلس انس است غزل خوان وسرود

چند گوئی کہ چنین است وچناں خواہد شد

اس شعر میں مطربا کی جگہ واعظا ہوتا تو زیادہ موزوں تھا۔ کیونکہ واعظ ہی چناں وچنیں کرتے ہیں کہ عاقبت میں ایسا ہوگا مطرب نہیں کرتے۔

د۔ ۱۴۰ و ۱۴۱ نقد صوفی نہ ہمہ صافی وبیغش باشد ای بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں تا سیہ روی شود ہر کہ درو غش باشد

غش بکسر اول لکھا ہے لیکن کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ آتا ہے اور اس غزل میں دونوں جگہ غش بفتحہ غین ہے۔ ملاحظہ ہوں دوسرے قافیے۔

د۔ ۱۴۳ ص خرقہ پوشان ہمگی مست گزشتند وگزشت

قصۂ ماست کہ در ہر سر بازار بماند

پہلے مصرع کا مطلب صرف یہ ہے کہ خرقہ پوش سب مستی کی حالت میں گزر گئے۔ اور بات

رفت و گذشت ہو گئی۔ دوسرے مصرع میں اگر "در ہر سر بازار" کی جگہ "در کوچہ و بازار" ہوتا تو بہتر تھا۔ اول تو ہر سر بازار کوئی محاورہ نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ "سر بازار" کے پہلے در کی جگہ بر زیادہ موزوں ہوتا۔ کیونکہ برسر بازار بولا جاتا ہے۔

ردیف دال ۹/۵ ؎ دوست گو یار شو و ہر دو جہاں دشمن باش

بخت گو پشت مکن روئے زمیں لشکر گیر

میں صرف اس شعر میں بعض الفاظ تبدیل کرنا چاہتا ہوں جن کی خوبی ناظرین پر خود ظاہر ہو جائیگی شعر یوں ہونا چاہیے:-

دوست گو دوست شو و ہر دو جہاں دشمن باش

بخت گو روئے کن و روئے زمین لشکر گیر

مطلب یہ ہے کہ دوست سے کہو کہ میرا دوست بن جائے تو دونوں جہان دشمن ہو جائیں تو پرواہ نہیں ہے نصیب سے کہو کہ میری طرف متوجہ ہو جائے تو ساری خدائی مجھ پر فوج کشی کرے تو پرواہ نہیں ہے۔ مصرع اولی میں پہلے دوست سے معشوق مراد ہے۔ دوسرا دوست دشمن کے مقابلہ میں نہایت موزوں ہے شو صیغہ امر ہے۔ ارباب ذوق سلیم خود سمجھ سکتے ہیں۔

س ۱۴/۱۳ ؎ گر فوت شد سحور چہ نقصان صبوح ہست

از می کنند روزہ کشا طالبان یار

"از می کنند روزہ کشا طالبان یار" میں از می کنند روزہ کشا کے معنی شراب سے روزہ کھولتے ہیں" لکھے گئے ہیں روزہ کشا ایک مرکب لفظ بطور اسم آلہ کے استعمال ہوتا ہے اور اُس چیز پر دلالت کرتا ہے جس سے روزہ کھولا جائے یعنی افطاری۔

ر ۴/۵ ؎ مے دو سالہ و محبوب چار دہ سالہ

ہمیں بس ست مرا صحبت صغیر و کبیر

مے دو سالہ و محبوب چار دہ سالہ کے معنی فاضل شارح نے بہت شتاب بیان کیے ہیں اور

چاردہ سالہ کو نہایت ذہانت سے ۴+۱۰=۴۰ سالہ ثابت کیا ہے جس سے مراد آنحضرت صلعم سے لی ہے کیونکہ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے تھے لیکن یہ مقصود اس طرح پر زیادہ خوبصورتی سے حاصل ہو سکتا تھا کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلعم طٰہٰ کے خطاب سے مخاطب فرمائے گئے ہیں جس کے عدد (۱۴) ہیں۔ اس طرح پر "دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ" سے مراد قرآن و حدیث ہو سکتی ہے جناب خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے لیے صرف قرآن و حدیث کافی ہے۔

ز ۹ ۵ — جز فلاطون خم نشین شراب
سرِّ حکمت بما کہ گوید باز

فلاطون خم نشیں کا قصہ ایشیا میں بے شک مشہور ہے لیکن کسی انگریزی یا یونانی تاریخ سے خم فلاطون کی تصدیق نہیں ہوتی البتہ حکیم دیوجانس کلبی کا خم مشہور ہے جس میں وہ سیلاب و برفباری کے وقت بیٹھ رہتا تھا۔ چونکہ یہ حکیم افلاطون کا ہمعصر تھا۔ اس لیے میرے خیال میں غلطی سے خم افلاطون کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

ش ۹ ۵ — بگیرم آں سر زلف و بدست خواجہ دہم
کہ داد من بستاند مگر ز دستانش

اس شعر میں لفظ دستاں جمع دست کی بیان کی گئی ہے اور ہاتھوں کے معنی لیے گئے ہیں میری رائے میں دستاں بمعنی مکر و حیلہ و فریب کے استعمال ہوا ہے معنی ظاہر ہیں۔

ش ۱۲ ع — ہزار گونہ سخن بر دہاں و لب خاموش

اس مصرع میں بر دہاں کی جگہ "در دہاں" یا "بر زباں" ہوتا تو زیادہ صحیح ہوتا تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

ردیف ض ۱ ۵ — گر لب روح پرور ت گلشکری نبخشدم
مکی تن درد مند من رستہ شود ازیں مرض

جب لائق شارح اس شعر کو الحاقی سمجھتے ہیں اور لفظ مرض کا قافیہ بھی ارض و فرض کے ساتھ

نہیں ہو سکتا تو ایسے مہمل شعر کو ایسی عمدہ کتاب میں جگہ دینی نہیں چاہیے تھی۔ جناب خواجہ صاحب ہرگز کوئی ایسا شعر نہ لکھتے جو قواعد عروض کے خلاف ہوتا۔ شائد فاضل شارح نے اس خیال سے اس کو جگہ دی ہے جس طرح بعض عورتیں اپنے بچوں کی پیشانی پر سیاہی کا ٹیکہ لگا دیتی ہیں تاکہ وہ نظر بد سے محفوظ رہیں۔

ردیف۔ ف ۱۲ ص من بخیال زاہدی گوشہ نشین و طرفہ آنکہ
مغبچہ ز ہر طرف ہنر زدم بچنگ و دف

اس شعر میں لایق شارح نے زاہدی کو یائے مجہول بمعنی ایک زاہد پڑھا ہے میری رائے میں زاہدی میں یائے معروف مصدری ہے۔ بمعنی زاہد بننا یا زہد اختیار کرنا معنی ظاہر ہیں

ف ۱۴ ص ابروئے دوست کے شود دست کش خیال من
کس نزدست زین کماں تیر مراد بر ہدف

اس شعر میں دست کش کا لفظ صحیح نہیں ہے نہ اس کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں صحیح لفظ دستخوش ہوگا جس کے معنی مغلوب یا محکوم و زیر دست کے ہوتے ہیں۔

ف ۱۵ ص بیخبرند زاہداں جام بخواہ و لاتقل
مست ریاست محتسب بادہ بنوش و لاتخف

اکثر نسخوں میں جام بخواہ کی جگہ نقش بخواں پایا جاتا ہے جو زیادہ بامعنی ہے۔ نقش ایک قسم کا سرود ہے جو خراسان میں مروج ہے۔ نقش بخواں اسی محاورہ میں بولتے ہیں جیسے کہ ملاریں گاؤ۔ مطلب مصرع کا یہ ہے کہ زاہد لوگ مستی میں مدہوش ہیں۔ ملاریں گاؤ اور بات مت کرو۔

ردیف دم، ۱۵ ص گرچہ با دلق ملمع مئے گلگوں عیب است
نکنم عیب کزو رنگ ریا می شویم

اس شعر میں جملہ نکنم عیب کے معنی یہ سمجھے گئے ہیں کہ میرا فعل معیوب نہیں۔ غالباً نکنم

صیغہ مضارع متکلم سمجھا گیا ہے۔ میری رائے میں صحیح لفظ مکنم میم کے ساتھ ہے۔ نہی متکلم کا صیغہ
مطلب یہ ہے کہ میرے اوپر اس بارہ میں نکتہ چینی مت کرو۔ تفصیل کے واسطے دیکھو میرا ریویو

ردیف (ت) ۲/۲ جلد ۲

م ۸۲/۱۷ ع عیبم مکن برندی و بدنامی ای فقیر

اس مصرع میں "فقیر" کا لفظ بالکل مہمل معلوم ہوتا ہے۔ جناب خواجہ صاحب نے اس کی جگہ غالباً "فقیہ" کا لفظ لکھا ہوگا۔

م ۴/۲ ع دکان معرفت بدو جو پربہا کنیم

لایق شارح کی تحقیق و تلاش نے شک قابل داد ہے کہ اس مصرع کو صحت کے ساتھ قایم کردیا۔ ورنہ سب کاتبوں نے اُس کی صورت مسخ کردی تھی اور آخری حصہ بدو جو ہر بہا کنیم لکھا تھا جس کے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آسکتے تھے۔

خدایش خیر دہاد آنکہ این عمارت کرد

جلد سویم کی تنقید اس جگہ ختم ہوتی ہے۔ جلد چہارم پر آئندہ مضمون میں بحث کی جائے گی۔

جلد چہارم نمبر ۱

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم

بہار توبہ شکن میرسد چہ چارہ کنم

مولوی میر ولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد (پنجاب) نے دیوان حافظ کی شرح مع ترجمہ اُردو زبان میں لکھ کر ملک و قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسی مکمل شرح جس میں تاریخی اور جغرافی حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہوں اور ایسا بامحاورہ اُردو ترجمہ دیوان حافظ کا اس ملک میں نہ تھا۔ یہ شرح لسان الغیب، چار جلدوں میں چھپی ہے۔ تین جلدوں کی تنقید میں پہلے لکھ چکا ہوں جو رسالہ مخزن (لاہور) اور اخبارات ذوالقرنین (بدایوں) و پیسہ اخبار میں چھپ چکی ہے۔ اب آخر جلد باقی رہ گئی تھی۔ میرا دل

نہ چاہا کہ اس کام کو غیر مکمل چھوڑوں اس لیے باوجود ضعف بصارت۔ ہرچہ بادا باد کشتی در آب انداختم۔ پھر قلم اُٹھاتا ہوں۔

اِس کتاب کی خوبیاں تو میں بیان کر ہی چکا ہوں۔ اب صرف اُن نقائص و عیوب پر بحث کروں گا جو میرے نزدیک اس میں باقی رہ گئے ہیں۔

ردیف م غزل ۳/۲ مصرعۂ ثانیہ "دگر از میانۂ اہلِ طرب کنارہ کنم" میں "اہل" کی جگہ بزم ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے۔

م ۹/۵ "چو طفلاں تا کے اے واعظ فریبی" کی جگہ "چو طفلاں واعظا تا کے فریبی" لکھا جاتا تو زیادہ فصیح ہوتا۔

م ۲۵/۲ ؎ تا ہمہ خلوتیاں جام صبوحی گیرند
چنگ و صبحے بہ درِ پیر مناجات بریم

دوسرے مصرع کا ترجمہ لکھا ہے کہ "ہم پیر مناجات کے دروازہ پر چنگ و صنج لے جائیں"۔ صنج معرب چنگ کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ بالکل درست ہے لیکن جب چنگ آ چکا تھا تو صنج کا لانا تحصیل حاصل ہے۔ پیر مناجات بھی کوئی محاورہ نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ مصرع اس طرح ہوتا تو زیادہ با معنی ہوتا "چنگ صبحی بدرِ پیر خرابات بریم" یعنی وہ چنگ جو صبح کو بجائی جاتی ہے پیر خرابات کے دروازہ پر لے جائیں تاکہ اندر والے لوگ صبح کی شراب لطف کے ساتھ پئیں۔ صبوحی کی رعایت سے صبحی آیا ہے۔

م ۱۴۲/۱ ارغوان ساز فلک رہزن اہل ہنر است

اس مصرع میں ارغوان بمعنی ارغنوں لکھا ہے۔ مجھ کو ارغوان اور ارغنوں میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ معلوم نہیں کس لغت سے لکھا ہے۔ ارغوان ایک رنگ کا نام ہے اور ارغنوں ایک باجہ کا نام ہے جو لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ یہاں باجہ مراد ہے۔ نہایت آسان بات تھی کہ بجائے ارغوان کے ارغنوں لکھ دیتے جو اسی وزن کا لفظ تھا۔

م ۵۴ ش ۵ عبوس زہد بوجہ خمار بنشیند
مرید ہمت دُردی کشان خوش خویم

اس میں بنشیند کی جگہ اگر نشیند لکھا جائے تو معنی بہتر ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زہد کی ترشروئی خمار کے اثر سے کبھی نہیں دبتی۔ یعنی اُس کا اثر بہت پختہ ہوتا ہے۔

م ۵۹ میں شعر ۴ و ۵ کے درمیان ذیل کا مشہور شعر متروک ہو گیا ہے:-

آن بوسہ کہ زاہد ز پیش داد بجا دست
از روئے صفا بر لب جانانہ نہادیم

اکثر شارحوں نے "داد بجا دست" کے معنی لکھے ہیں کہ "مرید باشند" وہ صحیح نہیں ہیں یہاں دست دادن کے معنی ہاتھ پیش کرنے کے ہیں جس طرح دستور ہے کہ مقدس لوگوں کے ہاتھ کو لوگ بوسہ دیتے ہیں وہ بھی عادی ہوتے ہیں کہ بوسے کے لیے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس بوسے کے لیے زاہد نے میرے سامنے حسب عادت ہاتھ پھیلایا تھا وہ بوسہ میں نے اپنے دل کی صفائی کی وجہ سے معشوق کے لب پر دے دیا۔ کیونکہ مجھ میں ریاکاری نہ تھی۔ اس شعر میں الفاظ پیش۔ دست۔ روئے۔ لب کی مناسبت اور رعایت ظاہر ہے۔ اسی خیال کو خواجہ صاحب نے شعر ذیل میں بھی ظاہر فرمایا ہے:-

مبوس جز لب معشوق و جام مے حافظ
کہ دست زہد فروشان خطاست بوسیدن

م ۶۲ ش ۵ خدا را ای رقیب امشب زمانی دیدہ بر ہم نہ
کہ من با لعل خاموشش نہانی صد سخن دارم

اس شعر میں اگر صد سخن کی جگہ یک سخن ہوتا تو لطف زیادہ ہو جاتا اور ترکانے کے محدود زمانے سے مناسبت بھی زیادہ ہو جاتی۔

م ۶۳ ش ۵ الا ای پیر فرزانہ مکن عیبم ز میخانہ
کہ من در ترک پیمانہ دلی پیمان شکن دارم

اِس شعر میں الفاظ عیبم زمیخانہ کی جگہ عیبم بمیخانہ ہوتا تو زیادہ صحیح ہوتا اور عین فارسی محاورہ کے مطابق ہوتا کیونکہ عیب بچیزے کردن محاورہ ہے نہ عیب ز چیزے کردن۔ ملاحظہ ہو حافظ صاحب کا ایک دوسرا شعر ؎

عیبم مکن برندی و بدنامی اے فقیہ
کایں بود سرنوشت ز دیوان فطرتم

اگر عیبم کی جگہ منعم استعمال ہوتا تو زمیخانہ آسکتا تھا۔ مثال کے طور پر جناب خواجہ صاحب کے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:۔

آں کس کہ منع من زخرابات می کند — گو در حضور پیر من ایں ماجرا بگو
منعم زعشق او مکنی اے مفتی زماں — معذور دارمت کہ تو او را ندیدہ

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ عیبم کا صلہ ب کے ساتھ ہونا چاہیے اور لفظ منعم کا صلہ ز کے ساتھ۔

م ۶/۲ ؎
ایں تفقدیم بس است کہ چوں زاہدان شہر
ناز و کرشمہ بر سر منبر نمی کنم

اِس شعر میں بجائے زاہداں کے واعظاں زیادہ موزوں ہوتا کیونکہ منبر کے ساتھ واعظوں کو زیادہ تعلق ہوتا ہے۔

م ۴/۱ ؎
اگر ز خیز دازو ستم کہ با دل ارنشینم
ز جام وصل می نوشم ز باغ خلد گل چینم

اِس شعر میں خلد کا لفظ بے موقع ہے۔ بجائے اُس کے حسن زیادہ موزوں ہے۔ وصل و حسن کا ساتھ ہے۔ خلد سے مناسبت نہیں رکھتا۔

م ۵/۲
یا ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسرے بینم

اِس مصرع میں لفظ شفقت جو مفتحین ہے اُس میں ف کی حرکت تقطیع میں گرتی ہے۔ اگرچہ ضرورت شعری کے لیے ایسا سکون کبھی کبھی جائز سمجھا گیا ہے لیکن اُس کی جگہ الفت کا لفظ آسکتا تھا جس میں کوئی نقص نہ تھا۔

م ۹ ۴ نظرے بجز تو باکس بکسے دگر ندارم

یہ مصرع بالکل مہمل ہے۔ جب لایق شارح اس غزل کو الحاقی سمجھتے ہیں تو اگر غزل نہیں تو یہ شعر ضرور خارج کرنا چاہیئے تھا۔

ن ۲ ۱۱ ساقیا مژدہ بحکم مستشار مومتن

اِس مصرع میں فاضل شارح نے لفظ مومتن کو اسم فاعل بیان کیا ہے۔ یہ لفظ اسم فاعل اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب میم ثانی کو کسرہ ہو (بروزن محتسب و مجتہد) اگر میم ثانی کو کسرہ پڑھا جائے تو قافیہ ناجایز ہوگا۔ کیونکہ علم عروض کے قواعد کے بموجب حرف ماقبل روی کو سب قافیوں میں ایک ہی سی حرکت ہونی چاہیئے۔ اِس غزل کے قافیوں میں حرف ن روی ہے۔ اُس کے ماقبل حرف کو مثل اور قافیوں (چمن ختن وغیرہ) کے فتحہ ہونا چاہیے۔ نہ کہ کسرہ۔ اِس لیے جناب خواجہ صاحب نے لفظ مومتن کبھی اسم فاعل کے صیغہ میں نہ لکھا ہوگا بلکہ مومتن بفتحہ میم ثانی اسم مفعول کے صیغہ لکھا ہوگا جس طرح کہ لفظ مستشار اسم مفعول ہے۔

ن ۱۲ ۵ گوئی برفت حافظ از یاد شاہ منصور
یارب بیادش آور درویش پروریدن

اس شعر کے اول مصرع کے معنی لایق شارح نے یہ سمجھے ہیں کہ "گویا حافظ منصور بادشاہ (کے پاس) سے چلا گیا" میری راے اس کے خلاف ہے جس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں بادشاہ منصور یا منصور بادشاہ لکھنا فارسی محاورہ کے خلاف ہے۔ شاہ منصور یا شاہ شجاع یا شاہ یحیی بے شک محاورہ ہے۔ منصور بادشاہ مدراسی اُردو معلوم ہوتی ہے نہ کہ فارسی محاورہ میری راے ناقص میں صرف ایک نقطہ کی غلطی ہوگئی ہے۔ باد کی جگہ یاد پڑھنا چاہیے۔ معنی یہ ہوں گے کہ "شاید حافظ شاہ منصور کی یاد سے جاتے رہے" اِسی معنی کی تائید دوسرے مصرع سے ہوتی ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔ جناب خواجہ صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

آں کس ہست اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

ن ۱۳۲ ؎ از ین مرقع پشمینہ تنگ در تنگم
بیک کرشمہ صوفی وشم قلندر کن

اول مصرع کے معنی یہ لکھے گئے ہیں "میں اس پشمینہ کی گدڑی سے بہت تنگ ہوں"۔ میرے نزدیک یہ معنی صحیح نہیں ہیں۔ اول تو تنگ کے معنی بہت نہیں آتے ہیں بلکہ وہ فارسی میں اچھی طرح کے معنی میں آتا ہے مثلاً اشعار ذیل میں۔

می خور کہ شیخ و حافظ و مفتی و محتسب — چوں نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند۔
کیسۂ سیم و زرت تنگ بباید پرداخت — زیں تمنا کہ تو از سیم براں می داری

دوسرے یہ کہ در تنگم میں در کے معنی کیا ہوئے۔ اور تنگ صفت ہے یا اسم کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اس جملہ کی متعدد قرأتیں ہو سکتی ہیں۔ تنگ و تنگم، تنگ و تنگم، تنگ در تنگم سب پڑھا جا سکتا ہے۔ میری رائے میں صرف اخیر قرأت (تنگ در تنگم) صحیح ہے۔ باقی سب غلط۔ معنی تنگ در تنگ یا تنگا تنگ ایک فارسی محاورہ ہے بمعنی لب بار تنگ امیر خسرو نے لکھا ہے ؎

بود ازاں جائے گاہ تنگا تنگ
آب دریا بقدر یک فرسنگ

تنگ در تنگ کی قسم سے سخت در سخت بھی آتا ہے اور جناب خواجہ صاحب نے پیچ در پیچ کا محاورہ بھی استعمال فرمایا ہے بمعنی بسیار پیچ۔ ملاحظہ ہو شعر ذیل ؎

جہان و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است
ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق

جلد چہارم نمبر (۲)

ن ۲۴۵ مہر دو کوشش حافظا اندر قبالہ کن

اس مصرع میں تقطیع کی جائے تو کونش کا شین یا حافظا کی ے گر جائے گی جو جائز نہیں ہے۔ اگر مصرع اس طرح لکھا جائے "مہر دوکون جا فظش اندر قبالہ کن" تو وہی معنی حاصل ہوں گے اور تقطیع بھی درست ہو جائے گی۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔ بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔

ن ۲۷ حافظ خوشنخواں سن نقد کمال غیاث

اس کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ "میرا خوشنخواں حافظ کمالِ فریاد کا نقد ہے" یعنی "حافظ کا کلام فریاد اور نالہائے حزیں کا اچھا مجموعہ ہے" میری رائے میں اس شعر کے معنی بیان کرنے میں لائق شارح نے ویسی ہی غلطی کی ہے جو بعض اور شارحوں اور مترجموں نے جناب خواجہ صاحب کے اس شعر کے معنی بیان کرنے میں کی تھی۔ ؎

وفا از خواجگان شہر با من
کمال دین و دولت بوالوفا کرد

یعنی مصرع ثانیہ کا لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور ترجمہ یہ کیا گیا تھا کہ "دین اور دولت کے کمال نے صاحب وفا کا کیا" حالانکہ وہ ایک قصہ طلب واقعہ تھا اور خواجہ کمال الدین ابوالوفا سے مراد تھی۔ اور ہمارے لائق شارح نے اس کو ٹھیک سمجھا تھا۔ چنانچہ میں جلد سوم ردیف د ۹۴ میں اس پر بحث کر چکا ہوں۔ اسی طرح مصرع زیر تنقید میں لفظی معنی بیان کرنے کی کوشش بے سود ہے۔ یہ بھی ایک قصہ طلب واقعہ ہے یعنی خواجہ شیخ کمال الدین خجندی ابن خواجہ غیاث الدین کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بزرگ (کمال خجندی) ایک صوفی صاف طینت اور شاعر عالی مرتبت تھے۔ ان کی ایک غزل نہایت مرصع اور مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎

گفت یار از غیر ما پوشاں نظر گفتم بچشم
وانگہے دزدیدہ در ما می نگر۔ گفتم بچشم

اسی غزل کے اس شعر کو سن کر جناب خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ پر ایک عجیب حالت وجد طاری ہوئی

تھی ہے ؎ گفت اگر سر در بیابان غم خواہی نہاد
تشنگاں را مژدہ از ما ببر گفتم بچشم

المختصر دونوں بزرگوں (خواجہ حافظ اور کمال خجندی) میں کچھ ایسے راز و نیاز تھے جو سمجھ میں نہیں آتے۔ ایک نے دوسرے سے فیض باطنی کا اکتساب کیا تھا۔ ایک دوسرے کو اپنا پیر کہتا تھا مصرع زیر تنقید میں خواجہ صاحب نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ خود خواجہ کمال خجندی کے نقد سرمایہ ہیں یعنی فیوض باطنی و روحانی کے مظہر ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہیں۔

ص ۵۹ ؎ ساقی بیار بادہ کہ رمزے بگو ییت
از اسرِ سیاک وطرف کلاہ گو
شکل ہلال ہر سرمہ می دہد نشاں
از سیر اختران کہن سال و ماہ نو

ان اشعار کے مصرعہائے ثانی اگر ایک دوسرے سے بدل دئے جاتے تو زیادہ معنی ہو جاتے یعنی ؎

ساقی بیار بادہ کہ رمزے بگو ییت — از سیر اختران کہن سال و ماہ نو
شکل ہلال ہر سرمہ می دہد نشاں — از اسرِ سیاک وطرف کلاہ گو

اگر کسی شعر یا لفظ کے دو نسخے ہوں تو شارح کو اپنا اجتہاد عمل میں لانا چاہیے۔

ص ۲۰ کز عشوہ دل ز حافظ چوں برد او بدیدہ

اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ "وہ حافظ کے دل کو آنکھوں کے عشوہ سے کس طرح لے گیا" میری رائے میں اس کا لفظی ترجمہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ عشوہ و ناز سے وہ حافظ کے دل کو آنکھوں میں کس طرح لے گیا"

ص ۳۴ شرم کنی ز عشقِ وی اے ہمہ تن زباں

اِس مصرع کو اگر اس طرح لکھا جاتا تو زیادہ فصیح ہوتا۔ منعم زعشق او کنی ای مفتی زماں۔

ی ۱۳ ص

مفروشش بباغ ارم و نخوتِ شداد
یک شیشۂ می صاف بیے و لب کشتے

دوسرے مصرع کا ترجمہ یہ لکھا گیا ہی "شراب صاف لب کا شیشہ اور سبزہ زار کا کنارہ" می صاف لب کی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بلکہ شیشۂ مے مضاف و مضاف الیہ ہیں تین چیزوں سے مراد ہی یعنی شیشۂ مے معشوق صاف لب لبِ کشت۔ ان چیزوں کی ضرورت اور جگہ بھی خواجہ صاحب نے بیان کی ہی گویا یہی چیزیں داخل سامان عیش ہیں۔ دیکھو

ی ۴۹ ص

آرزوی کنم واز تو چہ پنہاں دارم
شیشۂ بادہ و کنجے و رخ زیبائے

معشوق سادہ رخ یا صاف لب کم عمر معشوق سے مراد ہی جس کا چہرہ صاف ہو۔

ی ۳۵ ص

زاہد نکنم نسیہ حکایت کہ بنقدم
ترکیست چو حورے و سرائے چو بہشتے

اوّل مصرع کا ترجمہ یوں کیا گیا ہی "زاہد میں نسیہ کی حکایت نہیں کرتا الخ۔ لایق شارح نے نکنم کو صیغہ مضارع متکلم سمجھا ہی۔ میری رائے میں یہ لفظ مکنم صیغہ نہی ہونا چاہیے۔ یعنی مکن مراد مطلب یہ ہی کہ "اے زاہد مجھ سے محض وعدہ کی بات مت کر" کیونکہ حور و قصور کا وعدہ زاہد اور واعظ کیا کرتے ہیں۔

ی ۴ ص

بازار چہ گاہ گاہے برسر نہد کلاہے
مرغان قاف دانند آئین بادشاہی

اول مصرع کا ترجمہ یوں کیا گیا ہی کہ "باز بھی اگرچہ کبھی کبھی سر پر تاج رکھتا ہی" یہاں کلاہے تاج مراد نہیں ہی بلکہ وہ ٹوپی مراد ہی جو باز کے سر پر آنکھیں ڈھکنے کے واسطے چڑھا دیتے ہیں اور شکار کے وقت اُس کو کھول دیتے ہیں۔

ی ۱۵/۳ من حال دلِ خستہ با خلق نخواہم گفت

اس مصرع میں اگر خستہ کی جگہ زاہد ہوتا تو زیادہ با معنی ہوتا جیسا کہ اکثر نسخوں میں ہے۔

ی ۔ ۲۵/۵ خزینہ داری میراث خوارگان کفر است

اس مصرع میں میراث خوارگان کے معنی صاف بیان نہیں ہوئے ہیں۔ اُن سے مراد ورثائے شرعی سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے ورثا اور جانشینوں کے واسطے خزانہ جمع کر کے نہیں چھوڑ جانا چاہیے بلکہ اپنی زندگی میں خود خرچ کرنا چاہیے۔ نہ کہ خود مار خزانہ بن کر بیٹھا رہے

ی ۲۷/۱ ــ ۵ بفراغ دل زمانے نظرے بماہرُوئے

بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

لایق شارح نے چترِ شاہی کو بادشاہی تاج سمجھا ہے۔ اگر تاج سے غرض ہوتی تو خواجہ صاحب چتر کی جگہ تاج ہی لکھتے۔ جو لطف لفظ چتر میں ہے وہ تاج میں نہیں ہے۔ تاج زمانہ امن میں دربار میں سر پر رکھا جاتا ہے۔ لیکن چتر میدان جنگ میں بادشاہوں کے سر پر سایہ فگن ہوتا ہے۔ اُسی منظر کی تصویر اس شعر میں ہے۔ اور ہائے وہو سے میدان جنگ ہی کو زیادہ مناسبت ہے۔

ی ۲۹/۱۱ ــ ۵ ساقی مگر وظیفہ حافظ زیادہ داد

کاشفتہ گشت طرۂ دستار مولوی

مولوی سے یہاں مراد فاضل شارح کے نزدیک خواجہ صاحب ہیں۔ میرے نزدیک مولوی سے مراد فرقہ مقدسہ سے ہے جیسے واعظ زاہد وغیرہ۔ مولوی دراصل مولائی تھا۔ یائے نسبتی کے آنے سے الف واو سے بدل گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ساقی نے حافظ کا وظیفہ شراب جب دیا تو مولوی غصہ میں آکر سر دُھننے لگا جس سے اُس کا طرۂ دستار پریشان ہو گیا۔

ی ۳۰/۳۳ بیک فریب بدادم صلاح خویش از دست

دریغ آنہمہ زہد و صلاح و مستوری

یہاں مصرعِ اولیٰ میں صلاح کی جگہ عنان کا لفظ ہوتا تو زیادہ بامعنی ہوتا کیونکہ یہی لفظ صلاح دوسرے مصرع میں بھی موجود ہے۔

جلد چہارم نمبر ۳

ص ۳۲ ؎

عجب از لطف تو ای گل کہ نشینی با خار ظاہرا مصلحت وقت دراں می بینی

قابل شارح نے لطف کے معنی مہربانی کے لکھے ہیں۔ میرے نزدیک لطف سے مراد لطافت طبع ہے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

ص ۴۱ ای نورِ دیدہ صلح بہ از جنگِ داوری

اس مصرعہ میں جنگِ داوری مضاف و مضاف الیہ سمجھا گیا ہے۔ اور معنی بادشاہی جنگ بیان کیے گئے ہیں۔ میری رائے میں یہ صحیح نہیں ہے۔ جنگ اور داوری کے بیچ میں حرفِ عطف ہونا چاہیے۔ اور صرف لڑائی اور جھگڑے کے معنی ہیں۔

ص ۴۲/۱۱ روزِ واقعہ غم باشراب باید گفت

واقعے سے مراد تکلیف لی ہے۔ میرے نزدیک روزِ واقعہ سے مراد روزِ وفات ہے۔ جناب خواجہ صاحب نے اس لفظ کو جابجا اسی معنی میں لکھا ہے۔ شعر ذیل ملاحظہ ہو ؎

چو کار عمر نہ پیداست بارے آں اولیٰ
کہ روزِ واقعہ پیش نگاہ خود باشم

ص ۵۶/۹ عروسِ بس خوشی ای دخترِ رز

اس مصرع میں "عروس بس خوشی" کی ترکیب ٹھیک نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر یہ جملہ ہوتا "عروسی بس خوشی"

ص ۵۶/۱۲ نہانی الشیب عن کلِّ العذارٰی

اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ "بڑھاپے نے تمام گلرخوں سے منع کر دیا" اول تو نہانی کی

ضمیر متکلم کے معنی ندارد ہیں۔ دوسرے یہ کہ عذاری کا ترجمہ گلرخوں کیا گیا ہے۔ شاید اس کی ترکیب لفظ عِذار سے سمجھی گئی ہے جو صحیح نہیں ہے عذاری جمع ہے عذرار کی جس کے معنی دختر دوشیزہ یا بکر کے ہیں۔ یہ جمع اسی طرح کی ہے جس طرح صحرا کی جمع صحاری آتی ہے۔ جناب خواجہ صاحب نے شعر ذیل میں بھی اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے ؎

آں تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند
اشہیٰ لنا و احلیٰ من قُبلۃ العذاریٰ

مصرع زیر بحث کے معنی یہ ہیں کہ "بڑھاپے نے مجھ کو تمام دوشیزہ لڑکیوں (کی صحبت) سے ممنوع و محروم کر دیا ہے"

ی ۴۶ ؎ زرہم مفگن ای شیخ تو بدانہائے تسبیح
کہ چو مرغ زیرک افتد نفتد بہیچ دامے

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں لفظ تو کی ضرورت نہ تھی۔ تقطیع میں گرتا ہے۔ یہ غزل بحر رمل مثمن مشکول (یعنی مجنون مکفوف) میں ہے بروزن فعلات فاعلاتن. فعلات و فاعلاتن مصرع زیر بحث کی تقطیع (بحذف لفظ تو) اس طرح ہو سکتی ہے۔ زرہم م فعلات مفگن اے شی فاعلاتن خ بدان فعلات۔ ہائے تسبیح فاعلیان۔ رکن عروض میں بجائے فاعلاتن کے زحاف تسبیغ کی وجہ سے فاعلیان کا وزن آ گیا ہے جو جائز ہے۔ کیونکہ زحاف تسبیغ ارکان عروض و ضرب میں ہی واقع ہوتا ہے کسی دوسرے رکن میں نہیں ہوتا۔ اگر مصرع کے حشو اول میں یہ زحاف جائز ہوتا تو لفظ تو آ سکتا تھا۔ حشو اول میں تو ن غنہ البتہ آ سکتا ہے۔

ی ۴۴ ؎ ہوا خواہِ تو ام جاناں و میدانم کہ میدانی
کہ ہم نادیدہ میبینی و ہم ننوشتہ میخوانی

اس شعر کے مصرع دوم میں میدانی کی جگہ میبینی زیادہ مناسب تھا کیونکہ لفظ نادیدہ کے لیے وہی موزوں تر تھا علاوہ اس کے میدانی مکرر آ چکا ہے۔ اہل بینش پر اس کی خوبی

روشن ہے ص   تلقین و درس اہل نظر یک اشارت است
کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

ی ۸/۱ ص   از گلِ فارسیم غنچۂ عیشے نشگفت
حبذا دجلہ بغداد و مے ریحانی

پہلے مصرع میں لایق شارح نے گل کے معنی پھول کے لیے ہیں۔ جو میری رائے میں ترتیب فطری و طبعی کے خلاف ہے۔ پھول سے غنچہ نہیں کھلتا بلکہ غنچہ سے پھول کھلتا ہے۔
میری رائے میں گل بضم گاف صحیح نہیں ہے بلکہ گِل بکسرہ گاف صحیح ہے گلِ فارسی سے مراد فارس کی مٹی ہے۔ ایسی ترکیب اور شعرا نے بھی استعمال کی ہے۔ صایب کا شعر ہے۔

"صائب از خاک پاک تبریز است
ہست سعدی گر از گلِ شیراز

ترکیب بند

ب ۵/۱ ص   سلطانِ زمانہ ناصر الدین
شد معتصم بعز و تمکین

دوسرے مصرع کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ "عزت و تمکین کے ساتھ مستحکم ہے" اوّل تو دوسرا مصرعہ موجودہ حالت میں تقطیع میں ٹھیک نہیں ہوتا۔ اگر بجائے معتصم کے مستعصم لکھیں تو تقطیع ٹھیک ہوگی اور معنی بھی ٹھیک ہوں گے۔ وزن مفعول مفاعلن مفاعیل ہوگا بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور۔ علاوہ اس کے معتصم کے مفعولی معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص ہے جس کے پاس میں نے پناہ حاصل کی ہے۔ ماسوا اس کے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سلطان ناصر الدین میرے لیے بجائے معتصم کے ہے جو ایک پرشوکت خلیفہ عباسی تھا اور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا تھا۔

ساقی نامہ (از شعر ۱ تا ۷۰) کا نام اگر مغنی نامہ لکھا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔ کیونکہ اس میں

مغنی سے خطاب ہے نہ کہ ساقی سے۔

قطعہ فی الشکایت ع شاہ ہرموزم ندیدہ و بے سخن صد لطف کرد
شاہ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نداد

ہرموز ایک مشہور بندرگاہ ایران کے جنوبی کنارے پر ہے۔ یزد کوئی شہر نہیں ہے اس کی جگہ یزد پڑھنا چاہیے جو ایران کا ایک مشہور شہر ہے۔ شاہ یزد اور ساکنان یزد کی تعریف جناب خواجہ صاحب نے اُس مشہور غزل میں بھی کی ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

ای فروغ ماہ حسن از روی رخشان شما — آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما

اختتام پر میں اپنے اس بیان کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ میری یہ نکتہ چینی مخالفانہ نظر سے نہیں ہے۔ میں ذی علم شارح کی مشکلات سے بخوبی واقف ہوں اور اس کام کی اہمیت کو بھی سمجھتا ہوں جو انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے کر ملک پر بے انتہا احسان کیا ہے۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ لسان الغیب کو مکمل حالت میں دیکھوں۔ اگر آئندہ ایڈیشن کے وقت میری رایوں پر غور کیا جائے تو میں اپنی محنت وصول سمجھونگا۔ دوسری جلد کی تنقید میں نے شارح صاحب ہی کی خدمت میں بھیجدی تھی کہ وہ اُس پر غور فرمائیں۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے اُس کی رسید سے بھی مطلع نہ فرمایا۔ ایک عرصہ دراز کے انتظار کے بعد میں نے اُس کو از سر نو لکھکر شایع کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ پہلا مسودہ میں بجنسہ بھیج چکا تھا۔ اگر آئندہ طبع کے وقت دیوان کی غزلوں کی ترتیب ردیف وار اور ہر غزل کے مطلع کے اول لفظ کے حروف کی ترتیب کے مطابق غزلیں لکھی جائیں تو ہر غزل کے تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔ گو یہ کام کسی قدر مشکل ہے اور کتب لغات کی طرح محنت درکار ہوگی۔ اگر ضروری اصلاحوں کے بعد طبع ثانی عمل میں آئے گی تو لسان الغیب کو دیکھ کر ہر شخص کو پر جوش لہجہ میں کہنا پڑے گا "نصاب حسن در حد کمال است"۔ اور راقم الحروف بھی جناب خواجہ صاحب کی ہمزبان ہو کر کہے گا ع مژدہ کہ نو عروس چمن حد حسن یافت — کار این زمان ز صنعت دلالہ میرود

فقط۔ محمد ابوالحسن صدیقی بدایونی

ضمیمہ تنقید لسان الغیب ہر چہار جلد

من ترک عشقبازی و ساغر نمی کنم　　صد بار توبہ کردم و دیگر نمی کنم

شرح لسان الغیب مولفہ میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد کی چاروں جلدوں پر ایک سرسری نظر ڈالکر میں سابق میں بنام نہاد تنقید خامہ فرسائی کر چکا ہوں جو ذوالقرنین کے کالموں میں جگہ پا چکی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ میرا کام ختم ہو گیا مگر دیوان حافظ ایک بحر ناپیدا کنار ہے جب دیکھو نئے نکات نظر آتے ہیں۔ مجھکو اندیشہ ہے کہ یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا۔

داستان من و معشوق مرا پایان نیست　　ہر چہ آغاز ندارد نہ پذیرد انجام

مجکو جناب خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے کلام سے بے انتہا دلچسپی ہے اور میری دلی خواہش تھی کہ اس دلچسپی میں ذوالقرنین کے علم دوست ناظرین کو بھی شریک کر لوں۔

بادہ نوشیدن پنہان نہ نشان کرم است

پہلی تنقید کے لکھنے بعد مجکو شرح لسان الغیب میں بعض اور غلطیاں بھی نظر پڑیں جو سابق میں رہ گئی تھیں۔ کیونکہ ضعف بصارت کی وجہ سے پہلے میں نے ایک سرسری نظر جا بجا ڈالی تھی۔ اور بالاستیعاب نہیں دیکھا تھا۔ اور اب بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ میں فاضل شارح پر نکتہ چینی کے خیال سے نہیں بلکہ عوام کے فائدہ کے واسطے یہ کام کرتا ہوں۔ اگر میری رائے یا قیاس کی کسی غلطی کی کوئی صاحب اصلاح فرمائیں گے تو میں نہایت ممنون ہونگا۔ مجکو مجتہدی یا استادی کا دعویٰ نہیں ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ جناب خواجہ حافظ کے کلام میں کاتبوں کی بدولت بعض ایسی مہمل غلطیاں اور تحریفات ہو گئی ہیں جو جناب موصوف کی شان کے خلاف ہیں۔ انھیں اغلاط کی تنقیح میری قلم فرسائی کا موضوع ہے۔ جب سب نسخوں میں یکساں غلطی دیکھی جاتی ہے تو دخل در معقولات کرنا پڑتا ہے۔ اور اپنی ذاتی رائے کی توجیہ بھی کر دیتا ہوں۔ مجکو انصافاً یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے فاضل شارح (میر ولی اللہ) کی یہ سب غلطیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے پیش روؤں سے اُن کو ترکہ میں ملی ہیں اور اکثر مقامات پر اُنھوں نے کمال خوبی سے اُن کی اصلاح

فرمادی ہے:-

بازگویم نہ دریں واقعہ حافظ تنہا ست — غرقہ گشتند دریں بادیہ بسیار دگر

اب میں اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں:-

جلد اوّل صفحہ ۱۲۵ غزل ۵ شعر

"تا شد آں ماہ مشتری دُرہائے حافظ را بگوش — ہامبر سد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب"

اِس کے اوّل مصرع کا ترجمہ لائق شارح نے یوں لکھا ہے:- جب سے وہ ماہوش حافظ کے موتیوں کا کانوں کے لیے خریدار رہا ہوا- مجکو اسی مصرع کی نسبت بحث منظور ہے- اور میں فاضل شارح سے اختلاف کرنے کی معافی چاہتا ہوں- اوّل "بگوش" کے معنے "برائے گوش" نہیں ہو سکتے دوسرے یہ کہ مصرع بحالت موجودہ مروجہ بحروں سے خارج ہے- فاعلاتن- مفاعلن- مستفعلن- مستفعلان کسی بحر کا وزن نہیں ہے- جہاں تک دیوان کے نسخے میں نے دیکھے یہ مصرع سب میں غلط چھپا ہے بعض نسخوں نے اِس قدر ترقی ضرور کی ہے کہ بجائے "ماہ" کے مہ لکھا ہے جس سے مصرع تقطیع میں موزوں ہوجاتا ہے- بروزن فاعلاتن- فاعلاتن- فاعلاتن- فاعلات- مگر معنی کے اعتبار سے ویسا ہی مہمل ہے- جناب خواجہ صاحب سے (نعوذ باللہ) ایسی غلطی کی توقع نہیں ہو سکتی- بہت سے غور کے بعد میرا خیال اور قیاس یہ قایم ہوتا ہے کہ جناب خواجہ صاحب نے یہ مصرع بالفاظ ذیل لکھا ہوگا:-

"تا کشید آں مشتری دُرہائے حافظ را بگوش"

ارتقا کے مختلف مدارج اور منازل طے کر کے اس اصلی مصرع نے وہ مسخ شدہ صورت اختیار کر لی جو اوپر بیان ہوئی- اِس کی وجہ بھی ہم بتلا سکتے ہیں ع "از درون پردہ زرندان مست پرس" ابتداءً کسی نسخہ میں کشید کے کاف کا مرکز سہواً رہ گیا ہوگا یا کیڑے نے کھا لیا ہوگا- اس کے نقل نویس نے اُس لفظ کو "شد" پڑھا لیکن شد کے ساتھ مصرع تقطیع سے گرتا تھا- ایک سبب خفیف کی ضرورت تھی یعنی ایک ایسے دو حرفی لفظ کی جس کا اوّل حرف متحرک اور دوسرا

ساکن ہو۔ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اُس نے آں کے لفظ کے ہلالی مد کو مہ پڑھ لیا۔ پھر کیا تھا مصرع موزوں ہوگیا (تا شد آں مہ مشتری در ہائے حافظ را گوش) معنی سے بحث نہیں آخر منزل پر آکر مہ کا ماہ بن گیا۔ ہلال سے بدر کامل ہوگیا۔ صحیح مصرع

تا کشید آں مشتری در ہائے حافظ را بگوش

کے معنی یہ ہیں کہ "جب سے اس مشتری (یعنی معشوق) نے حافظ کے موتیوں کو کان میں ڈالا ہے۔ اور کل شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ "جب سے میرے معشوق نے حافظ کے اشعار سُنے ہیں اُن کو اس قدر شوق سے رباب بجاکر گانا شروع کیا ہے کہ اُس باجے کی آواز زہرہ کے کان تک ہر دم پہونچتی ہے" شمس و قمر و زہرہ و مشتری معشوق کے لیے استعمال ہوسکتے ہیں البتہ زحل و مریخ نہیں ہوتے کیونکہ وہ نحس ہیں۔ موتیوں سے مراد اشعار سے ہے۔ کان میں ڈالنے سے مراد سُننے سے ہے۔ یہی محاورہ حافظ صاحب نے اور جگہ بھی استعمال فرمایا ہے شعر ذیل ملاحظہ ہو۔

زشوقِ لعلِ تو حافظ نوشت شعرے چند   بخواں تو نظمش و در گوش کش چو مروارید

تا کشید کی جگہ تا کشد بھی ہوسکتا ہے۔ مگر اس صورت میں تا بمعنی تاکہ ہوگا۔ باعتبار معنی میں کشید کو کشد پر ترجیح دیتا ہوں۔

جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ ـ ۵   مقام عیش میسر نمی شود بے رنج

بلے بحکم بلا بستہ اند روز الست

اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "مقام عیش بغیر تکلیف کے حاصل نہیں ہوتا (وعدہ) بلے کو بلا کے حکم سے روز الست محکم کیا"۔ پہلے مصرع سے مجکو بحث نہیں ہے وہ بالکل صاف ہے۔ نہ ترجمہ پر اعتراض ہے۔ لیکن دوسرے مصرع میں بحالت موجودہ ابہام ایسا ہے جس کی اُمید خواجہ صاحب جیسے بلند پایہ شاعر سے نہیں ہوسکتی۔ مشکل یہ ہے کہ سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں۔ بستہ اند کا مفعول ندارد ہے۔ روز الست مفعول نہیں ہوسکتا ظرف کے معنی دے سکتا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے اور مجکو وثوق ہے

کہ خواجہ صاحب نے دوسرا مصرع اس طرح لکھا ہوگا۔

بلے بقول بلے بستہ اند عہد الست

جس کے معنی یہ ہیں کہ نے شک لفظ بلے کے قول سے الست کے دن کا عہد باندھا تھا۔ اس میں صنعت یہ ہے کہ لفظ بلے اور بلا کا تلفظ ایک ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا کوئی کام مصیبت اور بلا سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ازل میں لفظ بلے سے عہد باندھا گیا تھا۔

جلد ۲۔ صفحہ ۲۰۱ سطر ۵ وگر کنم طلب نیم بوسہ صد افسوس ٭ ز حقۂ دہنش چوں شکر فرو ریزد

اس میں افسوس کی جگہ حافظ نے دشنام لکھا ہوگا۔ معشوق کے دشنام کو شکر سے مثال دی جاتی ہے۔ شعر ذیل ملاحظہ ہو۔

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست ٭ بوسہ چند بیامیز بدشنامے چند

اس شعر میں بھی خواجہ صاحب نے معشوق کی دشنام کو قند سے تشبیہہ دی ہے اور لف و نشر غیر مرتب ہے۔ افسوس کے یہاں کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔

جلد ۲۔ صفحہ ۲۰۸ سطر ۵ حافظ تو ترک غمزۂ خوباں نمی کنی

دانی کجاست جائے تو خوارزم یا خجند

اس شعر میں اگر خوباں کی جگہ ترکاں ہوتا تو زیادہ موزوں تھا اور خوارزم و خجند سے جو ترکوں کے شہر ہیں اور لفظ ترک سے بھی مناسبت ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ حافظ صاحب نے ایسا ہی لکھا ہوگا کیونکہ وہ ہمیشہ ایسے ہی الفاظ لاتے ہیں جو سب سے زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔ ایسی رعایت کو حافظ صاحب نے کبھی ترک نہیں کیا ہے۔ شعر ذیل ملاحظہ ہو۔

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن ٭ ترک ترکانِ خطا نبود صواب

جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ سطر ۴ بیا کہ رایتِ منصور بادشاہ رسید

اس مصرع کا ترجمہ فاضل شارح نے اس طرح کیا ہے "کہ منصور بادشاہ کا جھنڈا پہنچ گیا"

میری رائے میں منصور رایت کی صفت ہے۔ دونوں الفاظ موصوف و صفت ہیں نہ مضاف و مضاف الیہ۔ رایتِ منصور کے معنی فتحمند جھنڈا یہ اور بات ہے کہ جس بادشاہ کا جھنڈا تھا اُس کا نام بھی منصور تھا۔ اُسی کی رعایت سے یہ لفظ لایا گیا ہے۔ منصور بادشاہ فارسی محاورہ نہیں ہے۔ مدراسی اُردو معلوم ہوتی ہے۔ فارسی میں نام کے ساتھ شاہ کا لفظ ہوتا ہے۔ جیسے شاہ یحییٰ۔ شاہ زین العابدین وغیرہ بادشاہ سے مراد ضرور شاہ منصور سے ہوگی۔ رایتِ منصور موصوف و صفت ملکر مضاف ہوا۔ بادشاہ مضاف الیہ ہے۔ اس لیے منصور کی (ر) کو اضافت ہے۔

جلد ۳۔ صفحہ ۱۴۱۔ ۱۲۷ د

چو ماہ است روشن کنے مہر رویش ۞ دل و جانِ حافظ صفائے ندارد

اِس شعر کا ترجمہ فاضل شارح نے یوں کیا ہے "حافظ کا دل و جان چاند کی طرح روشن ہے کیونکہ معشوق کے چہرے کے آفتاب کے بغیر ان میں کوئی صفائی نہیں۔"

میری رائے ناقص میں روشن کی صفت دل و جان سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ امر مثل چاند کے روشن ہے یا بالفاظ دیگر اظہر من الشمس ہے کہ معشوق کے چہرے کے آفتاب کے بغیر حافظ کے دل و جان کو صفائی نصیب نہیں ہوتی۔ ماہ کا لفظ مہر کی رعایت سے آیا ہے چاند پر آفتاب کی روشنی جب پڑتی ہے تو وہ روشن ہوتا ہے جب اُس کے محاذ میں نہیں ہوتا ہے تاریک رہتا ہے۔ کاف بیانیہ اسی معنی کی طرف دلالت کرتا ہے۔

جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ ۱۲۸/۵ د

اگرچہ دیدہ بود پاسبانِ تو ای گل ۞ بہوش باش کہ نقدِ تو پاسباں نبرد

مصرع اوّل میں بجائے گل کے دِل زیادہ مناسب تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ جناب خواجہ صاحب نے دل ہی لکھا ہوگا۔ گل کے پاس خزانہ ضرور ہوتا ہے جو زرِ گل کہلاتا ہے لیکن دیدہ اس کا پاسبان نہیں ہوتا ہے نہ اُس کو چرائے جاتا ہے۔ دل کا خزانہ (یعنی آنسوؤں) کو دیدہ علانیہ لوٹتا ہے اور بظاہر دل کا پاسبان بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اشک خونِ دل سے بنتے ہیں۔ جناب

خواجہ صاحب ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

دل بسے خوں بکف آورد ولے دیدہ بریخت ؛ اللہ اللہ کہ تلف کرد و کہ اندوختہ بود

جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ ۱۴۲/۳ د

صبحدم از عرش می آمد خروشِ عقل گفت ؛ قدسیاں گوئی کہ شعرِ حافظ از بر می کنند

اس شعر میں اگر گفت ماضی کا صیغہ مانا جائے تو دوسرے مصرع میں گوئی کی ضرورت نہ تھی میری رائے میں حافظ صاحب نے یہ شعر اس طرح لکھا ہوگا جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے بھی:-

صبحدم از عرش می آمد خروشِ بازگفت قدسیاں گوئی کہ شعرِ حافظ از بر می کنند

بازگفت حاصل مصدر کے معنی میں ہے بمعنی تکرارِ قول۔ یعنی ایک ہی بات کو بار بار کہنا یا پڑھنا اِس معنی کے ساتھ دوسرا مصرع بھی پورے طور پر چسپاں ہو جاتا ہے۔

جلد ۳۔ صفحہ ۲۲۱ ۱۵۴/۵ د

خرّم دلِ آنکہ ہمچو حافظ ؛ جامے ز مئے الست گیرد

اس کا ترجمہ لائق شارح نے یوں کیا ہے "اس شخص کا دل خوش ہے۔ جس نے حافظ کی طرح شرابِ الست سے پیالہ لیا" مجھ کو گیرد کے ترجمہ صیغہ ماضی یا مضارع سے بحث نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فاضل شارح نے دل کو اضافت کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ لفظاً آں کا مضاف ہو جائے اور تقطیع میں مثل دوسرے مصرعوں کے مفعول مفاعلن فعولن کے وزن پر ہو جائے۔ لیکن آں حرفِ اسم اشارہ ہے جب تک کہ کوئی مشارٌ الیہ نہ ہو اضافت جائز نہیں ہے۔ اگر آں کس ہوتا تو جائز تھا۔ اسم یا ضمیر مشارٌ الیہ ہو سکتی ہے۔

مگر میرا خیال ہے کہ خرّم دل ایک مرکب جملہ ہے بمعنی خوش دل۔ اضافت کی ضرورت نہیں ہے البتہ اس مصرع کا وزن اس طرح ہو جائے گا۔ مفعولن۔ فاعلن۔ فعولن بحر ہزج مسدس اخرم اشتر محذوف۔ جس طرح اِس مصرع کو شارح نے سمجھا تھا اُس کا وزن اخرب مقبوض محذوف ہوتا اس بحر میں دونوں وزن مروج ہیں صرف زحافات کا فرق ہے تقطیع حسب ذیل ہوگی:-

خرم دل مفعولن ۔ آں کہ ہم فاعلن ۔ چو حافظ فعولن۔

جلد ۳۔ صفحہ ۱۳۴ غزل ۷ ردیف ر ۔ اس غزل کے شعر نمبر ۵۔ اور مقطع کے بیچ میں بعض نسخوں میں شعر ذیل موجود ہے:۔

الا در ملکِ شب خیزی گراز اندوہ نگریزی ٭ دم صبحت بشارتہا بیارد زاں نگار آخر

معلوم نہیں کہ اس شعر کو جس کے معنی صاف ہیں اور حافظ ہی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ لائق شارح نے کیوں نظرانداز کر دیا ہے۔

جلد ۳۔ صفحہ ۲۵۱ ۱۵ س

عاشق یارم مرا باکفر و با ایماں چہ کار ٭ تشنۂ دردم مرا با وصل با ہجراں چہ کار

فاضل شارح نے ترجمہ یوں کیا ہے "میں یار کا عاشق ہوں مجھے کفر اور ایمان سے کیا کام۔ میں درد (یا دُرد) کا پیاسا ہوں مجھے وصل اور ہجر سے کیا کام" دوسرے مصرع میں شاعر کا مدعا صرف درد بفتح د سے ہی بضم د مقصود نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وصل و ہجر سے غرض نہیں ہے صرف دردِ دل چاہیے۔ اگر دُرد کا سوال ہوتا (بضم دال) تو کم ہمتی پائی جاتی۔

جلد ۳۔ صفحہ ۳۳۲ ۱۷ ش

کم از جولانی آخر در رہِ ما ٭ چو حافظ خاک کرد آب و گلِ خویش

فاضل شارح نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

"آخر ہمارے راستہ میں تیزی تھوڑی کرو۔ جب حافظ نے اپنے جسم کو خاک کر دیا"

میں نے سب نسخوں میں یہی الفاظ پائے اور حاشیہ نویسوں نے ایسے ہی معنی بیان کیے ہیں جن سے مجھ کو ہرگز تسکین نہ ہوئی۔ بعض حاشیہ نویس اس شعر کے معنی حسب عادت آسان یا مشکل سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں بعض نے اُس کے سمجھنے میں عجز کا اعتراف کیا ہے۔ میری بے چین طبیعت ایسی باتوں پر قانع نہیں ہو سکتی۔ کم از جولانی کوئی فارسی محاورہ نہیں معلوم ہوتا بالآخر برہان استقرائی کی مدد سے میں ایک نتیجہ پر پہونچ گیا۔ دوسرے مصرع پر جو غور کیا

تو چونکے معنی جب ٹھیک نہیں معلوم ہوئے سیاق کلام متقاضی تھا کہ چو حرف تشبیہ یعنی مانند ہی یعنی "حافظ کی طرح اپنے جسم کو خاک کر دیا" اس مرحلہ کے بعد کرد کا فاعل تلاش کرنا پڑا جو دوسرے مصرع میں نہ ملا۔ ناچار پہلے مصرع کی طرف جانا پڑا۔ اس میں اول لفظ (کم) ایسا پایا گیا جو کرد کے فاعل ہونے کی صلاحیت رکھ سکتا ہی۔ بشرطیکہ اس کی جگہ کوئی دوسرا مناسب لفظ ہو اب علم جبر و مقابلہ کے سلسلہ مساوات کے قاعدہ کے بموجب لفظ کم کو ایک مجہول مقدار مثل (لا) کے فرض کر کے عمل کرنا شروع کیا۔ اور اس کی جگہ اسی وزن کے دوسرے لفظ کی تلاش ہوئی جو باصطلاح علم عروض سبب خفیف ہو۔ کم کے کاف کو قایم رکھ کر اس میں دوسرے حروف ملانے شروع کیے جب ہائے ہوز کی نوبت آئی تو ارشمیدس یونانی مہندس کی طرح جس کو علم المارکا ایک مشہور مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ یوریکا (یعنی دریافتم) کہکر چیخ اٹھا اور شعر حسب ذیل ہو گیا:۔

که از جولانی آخر در رهِ ما چو حافظ خاک کرد آب و گلِ خویش

ما کی ضمیر معشوق کی طرف راجع ہی۔ اب معنی بھی صاف ہو گئے اور کوئی ابہام نہ رہا۔ اور مجھ کو وثوق کے ساتھ یقین ہی کہ مصنّف نے یہی لکھا ہوگا۔ جو کاتبوں کی دستبرد سے مسخ ہو گیا یعنی یہ ہیں کہ کس نے بالآخر ہمارے راستہ میں تگ و دو کر کے حافظ کی طرح اپنا جسم خاک کر دیا" یہ استفہام انکاری ہی یعنی کسی شخص نے (بجز حافظ کے) ایسا نہیں کیا ہی۔ جولانی تگ و دو تیز روی کو کہتے ہیں (کہ) بمعنی کدام شخص اسی فاعلی حیثیت سے جناب خواجہ صاحب نے اس کو جا بجا استعمال فرمایا ہی۔ مصرعات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

که آگه است که تقدیر بر سرش چه نوشت؟ که بود ساقی و این باده از کجا آورد؟

که برد به نزد شاهان ز منِ گدا پیامے؟

ان سب مصرعوں میں اول کہ بمعنی کدام شخص ہی۔

جلد ۴ صفحہ ۹۲ ۶۰/۱ م ما درین در نہ پی حشمت و جاہ آمدہ ایم

اِس مصرع میں بجائے وریں کے بریں زیادہ بامحاورہ ہوتا۔ اور مصنّف نے ایسا ہی لکھا ہوگا۔

جلد ۴۔ صفحہ ۹۳ ﷲ م

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بینداز کہ ما   از پیِ قافلہ با آتش و آہ آمدہ ایم

دوسرے مصرع میں آتش و آہ کی بجائے آتشِ آہ زیادہ بامعنی ہوتا۔

جلد ۴۔ صفحہ ۱۱۲ ﷲ م "زہے وقتِ گل چہ سود ابیست حافظ گوش دار"

اِس مصرع میں میرا خیال ہے کہ مصنّف نے گوش دار کی جگہ ہوش دار لکھا ہوگا جو زیادہ بامعنی تھا۔

جلد ۴۔ صفحہ ۱۲۸۔ ﷲ م

دلِ حافظ اربجوئی۔ غم دل بہ تند خوئی   چہ بگویمت بگوئی سر درد سر ندارم

اِس شعر کا ترجمہ فاضل شارح نے اس طرح لکھا ہے "اگرچہ تو حافظ کی دلجوئی کرتا ہے لیکن تجھ سے غم دل کیا بیان کروں کیونکہ تو تند خوئی سے کہتا ہے کہ مجھ سے دردِ سر نہیں ہو سکتا"

اوّل تو اِس شعر میں چہ بگویمت کی بجائے چو بگویمت ہونا چاہیے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ حالت میں سیاق کلام تند خوئی کے جملہ کو حافظ کی طرف منسوب کرتا ہے نہ کہ معشوق کے جواب کی طرف۔ اگر معشوق کی طرف اس کی اضافت ہوتی تو چو بگویمت کے بعد آتا۔ مگر حافظ کی طرف اُس لفظ کا منسوب کرنا ستم ہوگا۔ ممکن ہے کہ تند خوئی کی جگہ دوسرا ہم قافیہ لفظ (مثلاً سادہ خوئی) ہو اور شعر اِس طرح پڑھا ہو۔

دلِ حافظ اربجوئی۔ غمِ دل بسادہ خوئی   چو بگویمت بگوئی۔ سر درد سر ندارم

جلد ۴ صفحہ ۱۴۱ ﷲ ن

حافظ نگشتے رسوائے گیتی   گر می شنیدے پند غریباں

اِس شعر کے آخر میں غریباں کی جگہ ادیباں زیادہ بامعنی ہوتا۔ غریباں کا کوئی موقع نہیں ہے۔ علاوہ اِس کے غریباں کا قافیہ اوپر آچکا ہے۔ ادیباں باقی تھا۔

جلد ۴۔ صفحہ ۲۱۹ ﷲ ۷ نماز ظہر را زاپریم ۱۱ می ہا شہر بستیش کردم روانہ

اس شعر میں مستینش کی جگہ مستینش ہوتا یعنی شہر کی جگہ بہ شہر ہوتا تو انسب تھا۔ زادِ رہ منزل پر جاکر استعمال کیا جاتا ہے۔ شراب کے استعمال سے پہلے عقل فنا نہیں ہو سکتی۔ ز شہر مستینش کے معنی ٹھیک نہیں ہوتے۔ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔

"بہ شہر مستینش کردم روانہ"

جلد ۴۔ صفحہ ۲۳۴ ی

ای باد نسیم یار داری ❊ زاں نفحۂ مشکبار داری

ترجمہ لایق شارح نے اس طرح کیا ہے "ای بادِ نسیم تو بھی یار رکھتی ہے"۔ میری رائے میں باد نسیم مضاف و مضاف الیہ نہیں ہیں اور نہ "یار داری" کوئی فارسی محاورہ ہے۔ اگر یارے داری ہوتا تو بامعنی ہوتا۔ میری رائے میں نسیم یار مضاف و مضاف الیہ ہیں اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یار کی خوشبودار ہوا۔ اس شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ "ای ہوا! تو یار کی نسیم رکھتی ہے۔ اس وجہ سے تو مشکبار خوشبو رکھتی ہے۔

میں صدقِ دل سے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہمارے فاضل شارح (امیر ولی اللہ صاحب) نے لسان الغیب کی بے نظیر شرح لکھی ہے اور اشعار کا بامحاورہ اُردو ترجمہ کیا ہے۔ اور جہاں تک ہو سکا ہے زیادہ صحیح نسخے استعمال کیے ہیں لیکن اس ملک کے جملہ نسخوں میں بے شمار غلطیاں تھیں اس لیے باوجود اس احتیاط کے بھی کچھ غلطیاں رہ گئیں۔ ان غلطیوں کی اصلاح میں انھوں نے اپنے ذاتی اجتہاد سے کام نہیں لیا۔ اب اگر لسان الغیب کی دوسری طبع کی نوبت آئے تو اُن کی عقل سلیم سے مجھ کو پوری توقع ہے کہ اس بے مثال شرح کے چہرۂ زیبا کو اور بھی خوشنما بنادیں گے۔ اب تک جتنے نسخے دیوان حافظ کے چھپے (خواہ وہ لکھنؤ میں چھپے ہوں خواہ کان پور میں یا دہلی میں) سب میں غلطیاں بدستور موجود ہیں منشی رحمت اللہ صاحب رعد نے جو صرف دیوان بلا ترجمہ و حاشیہ چھاپا تھا اُس میں کاغذ و خط کی عمدگی کا تو خیال کیا مگر تصحیح کا خیال نہ کیا۔ وہی پہلے مطبوعہ نسخوں کی نقل مطابق اصل ہے۔ اب ایسے دیوان حافظ کی

ضرورت ہی جو حتی الامکان غلطیوں سے پاک ہو۔ ترجمہ یا حاشیہ کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ایک دوسری ضرورت اس بات کی بھی ہی کہ دیوان باعتبار ردیف کے ایسی ترتیب سے چھاپا جائے جس طرح لغت کی کتاب چھپتی ہی۔ مجھ کو افسوس ہی کہ بوجہ ضعف بصارت جو روز بروز ترقی پر ہی میں کسی کام کا نہ رہا ورنہ یہ کام میری دلچسپی کا تھا لیکن مجھ سے زیادہ لائق لوگ ملک میں موجود ہیں اور پیدا ہوتے رہتے ہیں عجب نہیں۔ ع۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

اگر میری زندگی میں یہ کام ہوا تو حتی المقدور مدد کے لیے حاضر ہوں مجھ کو جناب خواجہ صاحب سے عقیدت ابتدا سے ہی اور آخر تک رہے گی۔

آں نسبت کہ حافظ را ہستی رو دار خاطر کاین سابقہ رندی تا روز پسیں باشد

یہ دخل در معقولات جو میں نے شرح لسان الغیب کے متعلق کیا ہی اس کو بھی میں جناب خواجہ صاحب کا روحانی فیض سمجھتا ہوں۔

بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود ایں ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

خاکسار محمد ابوالحسن صدیقی بدایونی

تنقید ہذا کے متعلق ایڈیٹر صاحب مخزن کے نام ایک خط اور ان کا نوٹ

ہمارے مکرم مولانا ابوالحسن صدیقی بدایونی نے ذیل کا مکرمت نامہ ہمارے تبصرہ متعلقہ تنقید سے متاثر ہو کر بغرض اشاعت ارسال فرمایا ہی۔ چونکہ مولانا نے تنقید کے اکثر حصہ میں اس امر کی تشریح نہیں کی کہ وہ مترجم کے انتخاب پر تنقید کر رہے ہیں۔ اس کے وہ خود مقر ہیں اس لیے مبصر تہمت کی حد کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔ تاہم میں حافظ رح کے کلام پر آپ جیسے جید فاضل کی بجا ترمیم کو تحریف فی القرآن کے مساوی نہیں سمجھتا۔

"تاجور" ایڈیٹر مخزن لاہور۔

بدایوں۔ محلہ فرشوری ٹولہ۔ ۸ راگست ۱۹۱۸ء

جناب مولانا صاحب مکرم بندہ تسلیم

ماہ رواں کے مخزن میں شرح لسان الغیب کی اخیر جلد پر میری تنقید چھپی ہی۔ اس میں بعض جگہ

١٦ ۴ ١٠

نقطوں کی غلطی ہو گئی ہے وہ میں نے اپنی کاپی میں درست کر لیے ہیں۔

~~جناب نے جو تھوڑے سے مصرعوں کی نسبت لکھا ہے اور میری تحریر کو بنظر استحسان~~ دیکھا ہے اس کا شکریہ تہہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ جناب کی یہ رائے کہ میری تنقید کا کچھ حصہ مولف سے گزر کر مصنف پر موثر ہوتا ہے مجھکو ایک سنگین جرم کا مرتکب قرار دیتی ہے۔ اور ایسی صورت میں میں ایک بڑی گستاخی اور بے ادبی کا ملزم ٹھہرتا ہوں ؎

من و ایں بے ادبی۔ ایں چہ حکایت باشد غالباً ایں قدرم عقل کفایت باشد

میں اس فروگذاشت کی وجہ سے اس الزام کا مورد ہوا ہوں کہ میں نے ہر جگہ صاف طور پر نہیں لکھا کہ میرا اختلاف یا ترمیم فلاں نسخہ دیوان پر مبنی ہے۔ ایک دو جگہ تو میں نے اشارہ کر دیا ہے کہ مختلف نسخے ہوں تو شارح کا کام ہے کہ بہترین نسخہ استعمال کرے۔ اور حسن انتخاب کے یہی معنی ہیں۔ خواجہ حافظ جیسے اُستاد کے کلام پر میں تو کیا شاید کوئی شخص بھی اصلاح یا ترمیم کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حاشا و کلّا میرا ہرگز یہ مدعا نہ تھا۔ میرا یہ عقیدہ وثوق کے ساتھ ہے کہ جناب خواجہ صاحب نے بہترین اور موزوں ترین الفاظ استعمال کیے ہوں گے مگر ناواقف کاتبوں کی مہربانی سے سب مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں بے شمار غلطیاں سرایت کر گئی ہیں۔ مجھ کو تو اب بھی نسخہ اس دیوان کا صحیح نہ ملا۔ پینتالیس سال سے میں دیوانِ حافظ کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ میرے پاس کوئی ایک درجن دیوان مطبوعہ اور قلمی ہوں گے مشتبہ اشعار کے الفاظ کی تحقیق میں میں اس عرصہ میں برابر مصروف رہا۔ اور ایک معمولی دیوان کو میں نے اپنے انتخاب کا نسخۂ مشق بنا لیا۔ وہی میرے مطالعہ میں رہتا ہے میرے معلومات کا یہی ذریعہ ہے۔

تمتّع ز ہر گوشۂ یافتم ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

جو کچھ ترمیم میں نے کی ہے کسی نہ کسی نسخہ ہی سے کی ہے۔ خود دخل در معقولات کرنے کی جسارت میں نے نہیں کی ہے۔ میں اس کو معیوب سمجھتا ہوں ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است درین مذہب خود بینی و خود رائی

میرے اس شوق اور انہماک کو دیکھ کر میرے بعض احباب مجھ کو دیوانِ حافظ کا حافظ کہنے لگے ہیں

اس میں کچھ زیادہ مبالغہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس دیوان کا ایک معتد بہ حصہ مجھ کو برزبان ہے۔ مطبوعہ متن میں جو کچھ ترمیمات میں نے جتلائی ہیں وہ درحقیقت میرا حسن انتخاب نہ دیدہ... کی تحقیق و تلاش پر مبنی ہے اور میرا خیال ہے کہ مصنف نے ایسا ہی لکھا ہوگا۔

چونکہ یہ عریضہ اصل مضمون کا ایک ضمیمہ اور اس کی تشریح ہے امید ہے کہ جناب براہ کرم مخزن کے کسی پرچہ میں اس کو جگہ دے سکیں گے۔ محمد ابوالحسن صدیقی بدایونی

منقول از مخزن بابت ستمبر ۱۹ ۱۹ء

منتخبات دیوان حافظ

المعروف بہ

روح حافظ

مختصر دیوان

(مرتبہ مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی بدایونی پنشنر افسر حسابات سرکار نظام)

خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کے کلام معجز نظام سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ اگرچہ فی زمانا اس ملک میں فارسی زبان کا مذاق روز بروز کم ہوتا جاتا ہے با ایں ہمہ کلام حافظ کے دلدادہ اب بھی بکثرت موجود ہیں اور اردو لٹریچر میں بھی حافظ کے اکثر اشعار بطور ضرب المثل و تمثیلات کے استعمال کیے جاتے ہیں حافظ کے دیوان مختلف مطبع کے چھپے ہوئے ملتے ہیں لیکن اس دیوان کے ایک ایسے خلاصے اور لب لباب کی ضرورت تھی جس میں جملہ مشہور اور منتخب اشعار مجتمع ہوں اس ضرورت کو اس "مختصر دیوان روح حافظ" نے پورا کر دیا ہے۔ اس منتخب میں ڈیڑھ ہزار سے کچھ زیادہ اشعار ہیں اس کے دیکھنے سے انتخاب کرنے والے کے اس دعوے کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ع

من ز حافظ مغز را بر داشتم

تقطیع ۲۲×۳۰ پاکٹ ایڈیشن کاغذ چکنا ولایتی قسم اول چھپائی لکھائی نفیس مجلد بہر تعلیم یافتہ کے کتب خانہ کے قابل قیمت فی جلد عہ ملنے کا پتا مولوی محمد ابوالحسن صدیقی بدایونی فرشوری محلہ بدایوں۔